سیدنا حسین ابن علیؑ

(نفسیاتی زاویۂ نگاہ سے)

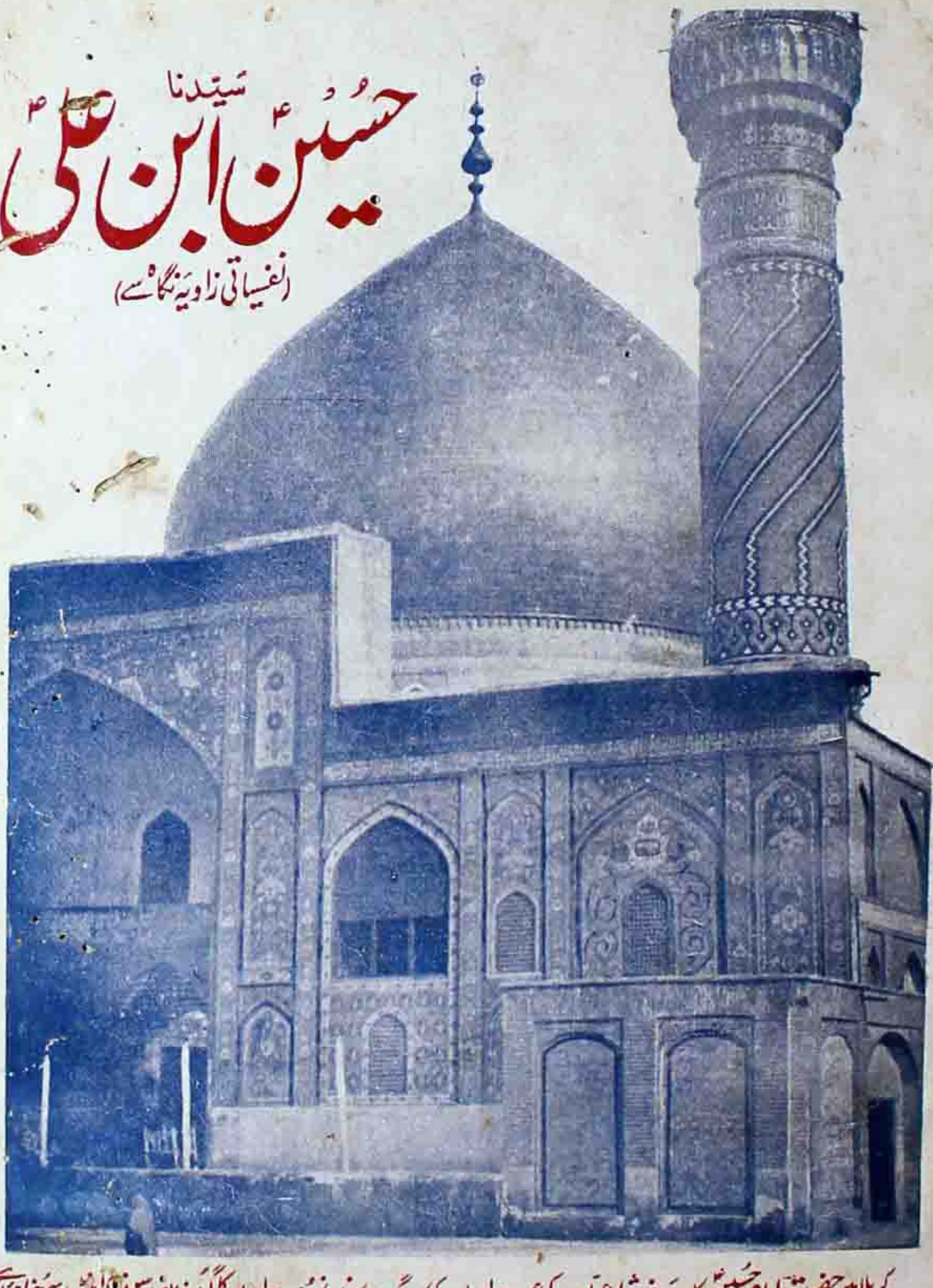

کربلا میں حضرت امام حسینؑ کا یہ روضہ شاہ عباس کے عہد میں ایران کی کاریگری کا نادر نمونہ ہے اور اس کا گنبد خالص سونے کی اینٹوں سے چنا ہوا ہے

Marfat.com

وهو السمیع العلیم

۶۴۹

سیدنا

حسینؑ ابنِ علیؑ

(نفسیاتی زاویۂ نگاہ سے)

مصنفہ

نکہت شاہجہانپوری

(مصنف موازنۂ صلیب وہلال و بصائر القرآن و تربیت ادراک وغیرہ)

سنہ ۱۹۴۱ء

بار دوم ۱۰۰۰ | قیمت ۱۲/

(جملہ حقوق محفوظ)

Marfat.com

مصنّف "سیّدنا حسینؑ ابنِ علیؑ" کی

دُوسری تصنیفات

نام کتاب	موضوع
(۱) موازنہ صلیب و ہلال	مشرقی و مغربی تمدّن کا مقابلہ
(۲) بصائر القرآن	زمانہ حاضرہ کے لحاظ سے قرآن مبارک کی تفسیر
(۳) تربیتِ ادراک (زیرِ طبع)	عقل انسانی کا نشو و نما
(۴) بے نقاب نپولین (زیرِ طبع)	تاریخ و تنقید

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار

لاہور

Marfat.com

خطاب از نوجوانِ ملّت!

(بزم)

دُنیا کی ظلمتوں میں برق و شرار بن جا
ویرانہ و چمن میں ابرِ بہار بن جا

یہ سادہ لوح فطرت پیغام دے رہی ہے
رنگینیوں سے اپنی نقش و نگار بن جا

صبحِ اُمید چمکے یا شامِ غم عیاں ہو
جلوہ طرازیوں میں لیل و نہار بن جا

ذرّہ سے مہر بن جا انجم سے ماہِ تاباں
اور نورِ زندگی کا آئینہ دار بن جا

مانا گناہ تیری فطرت میں مستتر ہے
توبہ کی لذّتوں میں مستِ خُمار بن جا

تو صبحِ زندگی ہے اے حُسنِ زندگانی
جلوہ نُمائیوں میں رُوئے نگار بن جا

بے اعتمادیاں ہیں مصروفِ شکوہ سنجی
دُنیا کی محفلوں میں با اعتبار بن جا

Marfat.com

(رزم)

پروانۂ عمل بن اے شمعِ زندگانی
اور سوزشِ دروں سے خود شعلہ بار بن جا
صحرا کی وسعتوں میں دریا کی شورشوں میں
طوفان و موج بن جا سیلِ غبار بن جا

فتح و ظفر کی دُنیا تیرے لئے بنی ہے
ہاں! بن کے مردِ میداں سرگرمِ کار بن جا
یا سرخرو نظر آ اس رزمگاہِ غم میں
یا اپنے خُونِ دل سے خود لالہ زار بن جا

اَے رُوحِ ارجمندی اَے نازِ سربلندی
رفعت کی منزلوں میں کوہِ وقار بن جا
شامِ عدم بھی تیری اک صُبحِ زندگی ہو
نکہتؔ شعار بن جا نکہتؔ شعار بن جا

نکہتؔ شاہجہانپوری

Marfat.com

نذرِ عقیدت

ان اہلبیت اطہارؑ کی خدمت میں جن کی خاکپا
بننے کا شرف حاصلِ حیات و ممات ہے

(نکہت)

Marfat.com

فہرست

شمار	عنوان	صفحہ
۱	خطاب از نوجوانِ ملّت	۵
۲	مقدّمہ	۱۰
۳	واقعاتِ شہادت پر ایک تاریخی نظر	۱۹
۴	تصویرِ مزارِ سیّدنا حسینؑ ابنِ علیؑ	۸
۵	خصوصیاتِ حضرت حسینؑ	۳۳
۶	ایثارِ نفس و مال و اعزہ	۳۹
۷	ایک سیاسی مغالطہ	۴۳
۸	جذبۂ حریّت	۵۵
۹	موجودہ شبہات و جوابات	۶۰
۱۰	قوتِ ضمیر و جوہرِ ایمان	۸۷
۱۱	قوتِ عمل و توازنِ دماغ	۹۷
۱۲	علم و فضل	۱۱۱
۱۳	فلسفۂ شہادت و کمالِ انسانی	۱۶۱
۱۴	نقد و نظر	۱۸۳

Marfat.com

مُقدّمہ

اے دِل چو خدنگش رگِ جاں بکشودت　　منمائے بکس چہرۂ خون آلودت
می نال چنانکہ نشنوند آوازت　　می سوز چنانکہ برنیاید دودت

واقعۂ شہادت حضرت امام حسینؑ علیہ السّلام بظاہر تین یا چار گھنٹہ کا معرکۂ کارزار ہے۔ جو کربلا کے میدان میں وقوع پذیر ہُوا! اور اس کے تمہیدی اسباب پہلی محرّم سے دسویں محرّم تک سمجھنا چاہیئے لیکن خواہ یہ دس دِن ہوں یا تین چار گھنٹہ یا دو مہینہ اس کے ہمہ گیر اثرات تمام دنیائے اسلام کے دل و دماغ پر صدیوں سے محیط ہیں اور رہیں گے۔ بلحاظ واقعات و اظہارِ بیان بھی یہ واقعہ چنداں طویل نہیں مگر فلسفۂ نفسیات و اخلاق کے لحاظ سے اس میں جو نازک اور شاندار پہلو ملتے ہیں۔ وہ دفتروں میں نہیں سما سکتے۔ اِسی لئے مشیت نے آپ کی ذات کو عملی تعلیم کے لئے آئینۂ ہدایت بنا کر پیش کیا۔ افسوس یہ ہے۔ کہ بلحاظ علمِ نفسیات اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ بلکہ زیادہ تر انسانی نگاہ درد و الم اور سوز و گداز تک محدود رہی ہے۔ اسی بنا پر اس کمزور رویّہ سے ہمارے برادرانِ ملّت کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ پہنچا ہے۔ پھر بھی یہ حقیقت نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ علمِ حقیقی صرف سرسری واقعات تک محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے اثرات اور نفسیاتی نقوش جو انسانی سیرت کو دوامًا متاثر کرتے ہیں۔ وہی قابلِ اعتبار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم اسی زاویۂ نگاہ سے واقعات کربلا پر روشنی ڈالینگے۔ عام ذہن اس واقعہ کے صحیح تخیّل سے ناآشنا ہیں۔ بلکہ اکثر بہکے ہوئے ہیں اگر سچ پوچھئے۔ تو "حسینؑ ابنِ علیؑ" کی ضرورت نہ صرف فلسفی کو ہے اور نہ صرف

Marfat.com

غیر فلسفی کو نہ صرف مسلم سیاست دان کو ہے اور نہ صرف مذہبی پرستار کو، نہ صرف اسلام کے نام لیوا کو ہے۔ اور نہ صرف غیر مسلم کو بلکہ ہر وہ انسان جو انسانیت کے معیار کو سمجھنا چاہتا ہے۔ یا انسانی کمالات کو جاننا چاہتا ہے۔ اس کو سیرتِ امامؑ پر ایک نظر ضرور ڈالنا چاہیئے ۔

ہاں! حضرتِ امامؑ کی یادگاریں عشرہ محرم کے موقع پر جو یادگار دنیائے اسلام میں منائی جاتی ہے۔ وہ بھی اشارتاً قابلِ اعتنا ہے۔ بالخصوص بعض ممالک میں تو اس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ مگر وہ شئے لطیف جس کو دواماً زندہ رکھنے کے لئے حضرت امامؑ شہید ہوئے کہیں نہیں ملتی۔ ایصالِ ثواب اور آپ کی مبارک یاد سر آنکھوں پر مگر ضرورت سے زیادہ کسی کام میں تشدد یا افراط کبھی بارآور نہیں ہوسکتا۔ اکثر افراد صرف واقعہ کربلا کی درد انگیزی سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ جو اس کی تصویر کا یک طرفہ رخ ہے اور اس تاثر نے ہماری قوم میں انفعالی جذبات کو زیادہ بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ مردہ قوم کے زندہ کرنیوالے افراد یا موجودہ اسلامی سلطنتوں کے قائد اس انفعالی جذبہ کو مٹانے کے لئے اپنی فعالیت سے متوجہ ہو رہے ہیں ۔

اب ذرا اس کی تاریخ پر بھی ایک نظر ڈالئے۔ بقول ابنِ کثیر شامی بحوالہ پروفیسر براون صفحہ ۳۱ "یہ رسم محرم ۳۵۲ھ سے ۹۶۳ھ تک بغداد میں مروّج رہی۔ اس سے پہلے دنیائے اسلام ان مراسم سے ناواقف تھی۔ سب سے پہلے معز الدولہ احمد بن بویہ نے محرم کی دسویں تاریخ کیلئے یہ حکم دیا۔ کہ اس تاریخ کو تمام افراد سیاہ لباس پہنیں! اور بازاروں کو بند کر کے سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی تعزیت میں مشغول رہیں۔ چونکہ پہلے سے بغداد میں یہ قاعدہ مروّج نہ تھا

Marfat.com

اس لئے اہلِ سنّت نے اِس کو بدعت خیال کیا۔ مگر چونکہ معزالدّولہ کے خلاف کچھ نہ کر سکتے تھے اس لئے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ اس کے بعد خاندان دیالمہ کی شیعی حکومت نے محرّم کے دس دن تمام شہروں میں اسی تعزیت کے لئے مقرر کر دیے۔ چنانچہ یہ رسم طغرل سلجوقی کی ابتدائی حکومت تک قائم رہی۔ اور اسی کے تاثرات اب تک باقی ہیں +

اوّلاً یہ مراسم اور روضہ خوانی یا نوحے اور بین زیادہ تر سیاسی مفاد پر مشتمل رہے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ مطلع سیاست صاف ہو جانے پر کہیں تو حقیقی سوز و گداز اور کہیں صرف رسم پرستی رہ گئی۔ مختار کی شورش یا سیاسی تحریک اور عباسیوں کی سلطنت کا سنگِ بنیاد بھی انتقامِ حسینؑ ہی کے نام سے قائم کیا گیا تھا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ ان دونوں تحریکوں کی فتحمندی اسی میدان کربلا ہی کی مرہون ہے لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ ان سیاسی یا مذہبی شورشوں کے بانی اصحاب نے حق پرستی پر کبھی عمل نہیں کیا۔ بلکہ مذہب کے پردہ میں سیاسی مفاد ہی اکثر پیشِ نظر رہا۔ خیر +

اس کشمکش کا انجام یہ ہوا کہ دنیائے اسلام میں شیعہ و سُنّی دو طبقے پیدا ہو گئے جو اپنے اپنے دعوؤں کے ساتھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہے مسلمانوں کی بدبختی سے اب بھی یہ دونوں برسرِ پرخاش رہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اب نہ وہ مسئلہ خلافت و میراث ہے اور نہ وہ عباسی و اموی سلطنت لیکن یہ دونوں نقلی گورکھ دھندے میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ بے ملکی نواب کی طرح اسلام کے شیرازہ کو خود برہم کر رہے ہیں۔ کاش ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

Marfat.com

پھر لطف یہ ہے کہ ان دونوں فرقوں میں جس قدر اصولی و مذہبی اتحاد پایا جاتا ہے اسلام کی کسی دوسری جماعت میں نہیں ملتا۔ ان کے مابہ النزاع امور زیادہ تر سیاسی افواہوں اور غلط روایات پر مبنی ملتے ہیں تفصیل و تطویل اپنا مقصود نہیں۔ مگر ہاں زمانہ سبق دے رہا ہے کہ اگر یہ آپس میں شیر و شکر نہ ہوئے۔ تو زمانہ کا اٹل قانون ان کا مؤدب ہوگا۔ کیا اس میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ حریتِ اسلام کے علمبردار حضرت امام حسینؓ نے جو درسِ انسانیت اپنے متبعین کو دیا تھا۔ ہم اس سے خواب و خیال میں بھی آشنا نہیں محض انفعالی تاثر زندہ قوموں کا شیوہ کبھی نہیں رہا اور نہ کسی قوم میں انفعالی اثرات سے روحِ عمل و ایثار پیدا ہوئی ہے۔ پھر تماشا یہ ہے کہ حضرت امام کی یادگاری مجالس بھی آپ کی پاکیزہ سیرت پر روشنی ڈالنے سے قاصر رہتی ہیں۔ ان مجلسوں میں بھی حضرت امام کی پاکیزہ صفات مثلاً ایثار و جذبۂ حریت، آزادی و استقلال، قوتِ ضمیر و ایمان اور سرگرمیٔ عمل وغیرہ پر واجبی تبصرہ نہیں ہوتا۔ بہر نوع اندیشہ ہے کہ اس واقعہ نویسی کو کوئی صاحب مجالسِ محرم کے خلاف جہاد نہ سمجھ لیں۔ اس لئے اب تمہید کے بجائے مقصدِ مقدمہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

اس خامہ فرسائی کے مختلف مقاصد میں سے ایک مقصد خاص یہ بھی ہے کہ حضرت امامؑ کی سیرت کو موجودہ زاویۂ نگاہ سے پیش کیا جائے۔ مگر محض عقیدت مندی کے لحاظ سے نہیں۔ زمانۂ حاضرہ کے انقلاب نے زندگی کے ہر شعبہ میں تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ اسی لئے حضرت امام الشہداؑ کی سیرت کے متعلق بھی بہت سے ذہنی خلجان پائے جاتے ہیں۔ بالخصوص زمانۂ حاضرہ کے پرستار اور مغرب زدہ افراد اپنے فرضی خیالات کو مارِ آستین کی طرح پالتے ہیں

Marfat.com

اور حضرت امام کی سیرت اور شرافت نفس کے اعلیٰ جوہر سے بالکل نابلد ہیں۔ یہ بیچارے یہ بھی نہیں جانتے کہ رسول اللہ کے لختِ جگر نے یہ عظیم الشّان جہاد کیوں کیا؟ اور عام انسانوں کے لئے ایک زندۂ جاوید نظیر کیوں قائم کی گئی؟ ان کے تمام شبہات میں اکثر وہ بے بنیاد باتیں شامل ہیں جو واقعۂ شہادت کو سرسری نگاہ سے دیکھکر قائم کی گئی ہیں! اور علمِ تاریخ و درایت سے ناواقف ہونے کی بنا پر سیاسی و مذہبی مغالطہ بازی کا مرکز ہیں۔ مثلاً :-

(۱) حضرت امامؑ کا یزید کے خلاف اُٹھنا تختِ سلطنت کی خاطر تھا +

(۲) یہ جنگ محض سیاسی جنگ تھی ÷

(۳) (نعوذ باللہ) آپ نے اہلِ بیت اطہار کو ہلاکت میں ڈالا اور خود بھی قصداً ہلاک ہوئے +

(۴) میدانِ جنگ میں آپ اعزہ کو کیوں لے گئے۔ یا جو ایثار نفس آپ نے کیا وہ ایثار نہیں ہے۔ بلکہ استبداد کا ایک پہلو تھا +

(۵) آپ کی جنگ نہ سیاسی تھی نہ مذہبی۔ بلکہ پُرانے قبیلوں ہاشم و بنی اُمیّہ کی باہمی منافرت کا نتیجہ تھی۔ جو صدیوں بعد رنگ لائی ÷

(۶) آپ کا مقصد محض خلافت طلبی تھی اور حکومت و دولت حاصل کرنا چاہتے تھے +

(۷) آپ نے اپنے رفقاء کار اور ہمدردوں کا کہنا کیوں نہ مانا۔ اور مکّہ چھوڑکر کوفہ کیوں تشریف لے گئے +

(۸) آپ کا کوفہ جانا ایک سیاسی غلطی تھی وغیرہ ÷

(۹) کیا آپ کا مقصد جنگ کرنا تھا اور کیوں نبرد آزما ہوئے ؟

Marfat.com

بہرنوع اسی قسم کے یعنی شکوک اخلاق و نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے رفع کرنے کے لئے یہ چند سطور پیش کش ہیں۔ گو یہ سعی مجالس عزا کی یادگار دنمیں بھی مشکور ہو سکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ محض تاریخی و روایتی اطلاعات کا اجتماع اس کا مقصد نہیں ہے۔ ہاں جس قدر حوالہ جات اور تاریخی نظائر کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ اُن کو بلا تکلف مستعار لے لیا گیا ہے۔ بلکہ اسی غرض سے ایک عنوان "تاریخی نظر" کا ابتدائے کتاب میں بڑھا دیا ہے۔ تاکہ جہاں کہیں حوالہ کی ضرورت ہو۔ تو اسی کی طرف رجوع کیا جا سکے ٭

ہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ شخصیت پرستی اس کتاب کا مقصد نہیں ہے بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے ایک (بہترین) انسان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جائیگا۔ کہ حضرت امامؑ کا مطمحِ نگاہ کیا تھا؟ اور ان تمام سطحی باتوں سے کس قدر بالا تھا۔ جو خارجیوں یا شیعہ سُنّی کے دماغوں میں چکر لگا رہی ہیں مشیت آپ سے ایک عظیم الشّان اخلاقی و مذہبی کام لینا چاہتی تھی۔ جس کے بغیر معیارِ انسانیت کی تشریح ناممکن تھی۔ اس لئے حضرت امامؑ نے قومی و اجتماعی اصلاح اور مذہبی مشن کی خاطر سرِ تسلیم خم کیا۔ تذکرۂ سیرت کے سلسلہ میں دُنیا کے بہت سے ممتاز افراد مثلاً حضرت عیسیٰؑ و علیؑ و عُمرؓ و عثمانؓ و حمزہؓ کا حوالہ دیا گیا ہے لیکن یہ مقابلہ صرف مدارجِ شہادت کو سمجھانے کے لئے ہے۔ اس تقابل سے ناظرین کو کسی مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیئے ٭

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ایک اور مفید باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت امام حسینؑ کا "علم و فضل"۔ افسوس کہ دُنیا والے آپ کی اعلیٰ ذہنی قابلیّت کے متعلق

Marfat.com

بہت کم جانتے ہیں۔اس لئے اس باب کو نہایت غور سے پڑھنا چاہیئے +

میری دِلی تمنّا ہے۔کہ یہ ناچیز سعی دربارِ رسالت و ولایت میں مقبول ہو۔ برادرانِ ملت آپ کے نقشِ قدم پر چل کر حقیقی سیرت کے تاجدار بنیں۔اوّلاً خود آزاد ہوں۔پھر ایک دنیا کو آزاد بنائیں۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

"نکہت شاہجہانپوری"

"انجمن اسلام بمبئی"

Marfat.com

واقعاتِ شہادت پر ایک

"تاریخی نظر"

Marfat.com

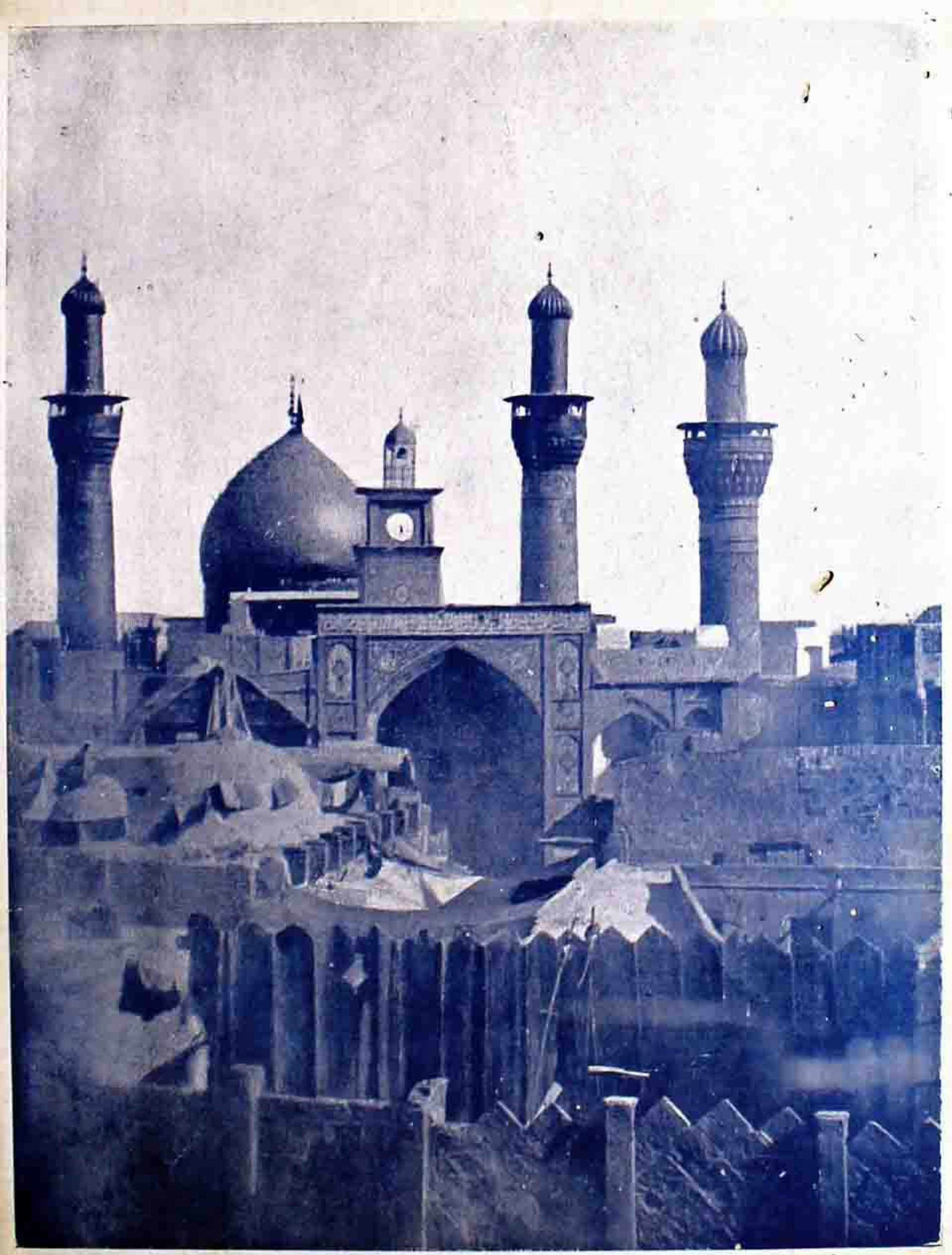

نزدیک کے ایک مکان کی چھت پر سے رَوضۂ حضرت امام حسینؑ کا نظارہ

Marfat.com

واقعاتِ شہادت پر ایک تاریخی نظر

"تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز - تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز"

سیدالشہدا امام حسینؓ علیہ السلام ابن حضرت علیؓ و حضرت فاطمۃ الزہراؓ سبطِ نبی اکرم صلعم ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی ۴ھ ہجری میں حضرت حسنؓ کی پیدائش کے چھ ماہ بعد عالم وجود میں آئی۔ آپ کی پانچ بیویاں۔ چھ گوشۂ جگر اور تین صاحبزادیاں تھیں :- (۱) حضرت علیؓ اکبر جن کو حضرت زین العابدین اور سید سجاد سے بھی یاد کرتے ہیں (۲) حضرت علیؓ اوسط (۳) حضرت علیؓ اصغر (۴) حضرت محمدؓ (۵) حضرت جعفرؓ (۶) حضرت عبداللہؓ - صاحبزادیوں کے نام نامی :- (۱) حضرت سکینہؓ (۲) حضرت فاطمۃ الصغریٰؓ - (۳) حضرت فاطمۃ الکبریٰؓ ہیں +

آپ ۶۱ھ ۱۰ محرم الحرام مطابق ۱۰۔ اکتوبر ۶۸۰ء عیسوی میلادی کو اپنے ۷۲ ساتھیوں اور اعزہ کے ساتھ تقریباً ۵۷ یا ۵۸ برس کی عمر میں ماریہ کے میدان میں جو کربلا کے نام سے مشہور ہے شہید ہوئے +

سبب یہ تھا۔ کہ آپ نے بیعتِ یزید ابن امیر معاویہ کو نہ مانا تھا۔ بلکہ اس کے استیصال کی کوشش کی تھی۔ آپ مدینہ ہی میں فروکش تھے۔ کہ آپ کو بیعت کے لئے مجبور کیا گیا۔ لیکن آپ نے یہ فرمایا۔ کہ "یہ چیزیں خفیہ نہیں ہو سکتیں۔ جماعت طلب کیجئے ہم بھی آئینگے۔ اور خفیہ طور پر مدینہ سے

[1] مقتل ابن مخنف صفحہ ۱۱ +

مکّہ چلے آئے اور پھر مکّہ سے کوفیوں کی دعوت پر براہِ مدینہ کُوفہ کا ارادہ کیا۔ آپ نے مکّہ چھوڑنے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلمؓ بن عقیل کو تحقیقات کی غرض سے کوفہ بھیجا۔ چنانچہ پہلی ذی الحجہ ۶۰ھ کو آپ کوفہ میں داخل ہوئے۔ مگر کوفیوں نے عبیداللہ بن زیاد گورنر کوفہ و شام کے مظالم سے پریشان ہوکر اپنے تمام وعدوں کو توڑ دیا۔ اُنہوں نے تمام خطوط معاہدوں اور رسمِ بیعت کے باوجود حضرت مسلم کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ انہیں لوگوں نے دولت و حکومت کے لالچ میں حضرت مسلمؓ بن عقیل کو گرفتار کرایا اور آپ اسی عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں مع اپنے ساتھی ہانی ابنِ عروہ کے بیدردی کے ساتھ ۹ ذی الحجہ کو شہید کئے گئے۔ آپ کی وصیت تھی۔ کہ حضرت حسینؓ کو کوفہ آنے سے منع کر دیا جائے۔ مگر ان حضرات نے صحیح اطلاع کے بجائے حضرت مسلمؓ کی طرف سے اور جھوٹے خط لکھے اور بے بنیاد خبریں بہم پہنچائیں تاکہ حضرت حسینؓ اگر تشریف نہ لانے کا ارادہ رکھتے ہوں تو بھی ضرور تشریف لائیں +

جو خط و کتابت حضرت امام حسینؓ اور کوفیوں کے درمیان ہوئی۔ وُہ بھی ملاحظہ کے لئے درج ذیل[1] ہے۔ تقریباً ڈیڑھ سو خط صرف شرفائے کوفہ اور اربابِ حکومت کی طرف سے لکھے گئے تھے۔ پبلک کے خطوط کا شمار نہیں۔ تاریخوں میں خاص طور پر مدعو کرنے والوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں +

شبث بن ربعی۔ حجار بن ابجر۔ یزید بن رویم۔ عروہ بن قیس۔ عمر بن الحجاج۔ محمد بن عمیر۔ سلیمان و مسیب بن محمد۔ رفاعہ بن شداد۔ حبیب بن مظاہر وغیرہ +

---

[1] بحوالہ ابنِ خلدون کامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۱۰۱ +

Marfat.com

نقل خط از طرف اہلِ کوفہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خدا کی رحمت تم پر ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہارے اس جبار و سرکش دشمن کو خوابِ مرگ میں سلایا۔ جس نے امت پر جبراً حکومت قائم کی تھی اور اس پر بلا استحقاق حاکم بن گیا تھا۔ اس نے مال کو غصب کر لیا تھا اور بغیر رضامندی اُمت اُس پر امارت کرتا تھا۔ باایں ہمہ اس میں جو لوگ اچھے تھے۔ ان کو اس نے مار ڈالا اور اشرار کو باقی رکھا۔ اب ہم پر کوئی امام نہیں ہے۔ آپ آیئے شاید آپ کے ذریعہ سے ہم کو اللہ تعالیٰ حق پر مجتمع کر دے۔ اگرچہ نعمان بن بشیر گورنر کوفہ شاہی محل میں ہے لیکن ہم اس کے ساتھ نہ تو شریک جمعہ ہوتے ہیں اور نہ شریک عید۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف لائینگے تو ہم اس کو اس طرح نکال دیں کہ وہ شام ہی میں جا کر دم لے انشاء اللہ تعالیٰ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ +

جواب خط از جانب حضرت حسینؑ

جو کچھ تم لوگوں نے لکھا ہے میں اُسے سمجھ گیا۔ بالفعل میں اپنے چچا زاد بھائی اور اپنے معتمد ترین اہلِ بیت مسلم بن عقیلؓ کو بھیجتا ہوں۔ یہ تمہارے رنگ ڈھنگ دیکھ کر مجھ کو اطلاع دینگے۔ اگر تمہارے رؤسا نے اپنی تحریر کے مطابق عمل کیا اور اس پر مجتمع ہو گئے تو میں عنقریب آجاؤنگا۔ اپنا امام وہی ہے۔ جو

لہ بحوالہ ابن خلدون کامل ابن اثیر جلد چہارم صہ ۱۰

Marfat.com

کتاب اللہ پر عمل کرتا ہے اور عدل اور دینِ حق پر قائم رہتا ہے والسّلام ٭

غرض ان جھوٹے وعدوں نے استیصالِ یزید یا اصلاحِ قوم کی خاطر حضرت امام کو کوفہ جانے پر مجبور کر دیا! اور آپ اپنے مخلص رفیقوں کی ممانعت پر بھی نہ رُکے اور مکّہ سے مع اہل وعیال روانہ ہو گئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت مسلمؓ کی دردانگیز شہادت کی خبر آپ کو پہنچی۔ آپ نے صبر و شکر کے ساتھ اپنے سفر کو جاری رکھا۔ یہاں تک کہ سب سے پہلے حر بن یزید التمیمی ایک ہزار سواروں کے ساتھ مقام پر آپ سے ملا۔ یہ عبیداللہ بن زیاد کا کوتوال تھا اور اس نے یہ پیغام پہنچایا کہ جس وقت تک آپ کوفہ نہ پہنچ جائینگے۔ آپ کی نگرانی میرا فرض ہے۔ فرمانِ ابن زیاد کے مطابق نہ تو میں آپ سے علیحدہ ہونگا اور نہ آپ کا ساتھ چھوڑوں گا۔ چنانچہ دونوں ساتھ ساتھ کوفہ روانہ ہوئے! اور جب یہ دونوں مقامِ کربلا میں وارد ہوئے تو دوسرا حکم اسی ابنِ زیاد کا یہ پہنچا۔ کہ حضرت امام حسینؑ اور آپ کے ساتھیوں کو ایسی جگہ ٹھیرایا جائے جہاں پانی نہ مل سکے۔ چنانچہ ۲ محرّم تک اس کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد ابنِ زیاد نے عمرؓ بن سعد کو سپہ سالار بنا کر چار ہزار فوج کے ساتھ حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ جب حضرت امامؑ نے باہمی گفتگو کے سلسلہ میں تین شرطیں پیش کیں یعنی :-

(۱) یا تو مجھے اپنی جاءِ قیام پر واپس جانے دو ٭

(۲) یا یزید کے پاس جانے کی اجازت دو ٭

(۳) یا پھر کہیں اور چلا جانے دو ٭

تو یہ شرائط ابنِ زیاد کو بھیجی گئیں۔ لیکن عمرو بن سعد کی طرف سے ان کا جو کچھ جواب ملا۔ وہ ہُو بہُو درج ذیل ہے :-

Marfat.com

"اے عمرؔ بن سعد۔ سن میں نے تجھ کو حسینؑ کی طرف اس غرض سے نہیں بھیجا تھا۔ کہ تو اس سے لیت ولعل میں اوقات گذاری کرے اور اس کی سفارش مجھ سے کرے۔ میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ اگر حسینؑ اور اُس کے ہمراہی ہمارے حکم کی اطاعت کریں تو صلحنامہ لکھ کر اُن کو ہمارے پاس بھیجدو۔ اور اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کر دو۔ یہاں تک کہ ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالو۔ اُن کے جسم و سینہ کو سُموں سے پامال کرو۔ حسینؑ بڑا ظالم خود سر اور نافرمان ہے۔ پس اگر تو ہمارے حکم کی تعمیل کریگا۔ تو تجھ کو فرمانبرداروں جیسا صلہ دیا جائیگا اور اگر کچھ بھی سرتابی کا قصد ہو۔ تو ہم تجھ کو معزول کرتے ہیں اور بجائے تیرے شمر کو لشکر کی سرداری کا حکم دیتے ہیں"[1]۔

اس اطلاع کے آنے پر یزید و ابن زیاد کے طرفداروں نے ایک نہ مانی اور میدان کربلا میں ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ نہر فرات پر ہر طرف سے دستے لگا دیئے گئے۔ فوجوں پر فوجیں یلغار کرنے لگیں اور صرف اس بات پر زور دیا گیا۔ کہ یا تو بعیتِ یزید کرو اور بلا پس و پیش عبیداللہ بن زیاد کے پاس جاؤ یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو۔ حضرت امامؑ نے بعیتِ یزید کی خاطر زیاد کے پاس جانے کو دمِ آخر تک نہ مانا اور عزت و وقار کے ساتھ شہید ہونا گوارا کیا۔ آپ نے تیاری دفاع کے لئے ۱۰ محرم تک کی مہلت مانگی۔ جو منظور ہوئی۔ اُس کے بعد آپ کو مخالفین کی چھیڑ چھاڑ اور ظلم نے سربکف ہونے کے لئے مجبور کر دیا۔ آپ کی فوج کی کل تعداد ۲۰۰۔ اور غنیم کی (باختلافِ روایات) ۲۰۰۰۰ تھی۔

اب اس موقع پر ہُو بہُو آپ کی وہ تقریر اور گفتگو سنیئے۔ جو اتمامِ حجت کے لئے آپ نے اوّل اوّل میدانِ جنگ میں فرمائی۔ تاکہ غیر مستند باتوں کے بجائے صحیح واقعات آپ کے ذہن نشین ہوں۔ اوّل

[1] ابن خلدون صفحہ ۱۰۰

اوّل حضرت امام حسینؑ نے عمرؓ بن سعد اور اُس کے ساتھیوں کو آمادہ جنگ دیکھکر دو چار ہمراہیوں کو ساتھ لیا۔ اور بآواز بلند خطاب کیا "

اے لوگو۔ تم میری بات سُنو۔ عجلت نہ کرو۔ مجھ پر واجب ہے۔ کہ میں تم کو صورت حال سمجھاؤں اور اپنے آنے کا عذر بیان کروں۔ اگر تم میرا عذر قبول کرو۔ تو فبہا اس میں تمہارا کوئی ہرج نہیں لیکن اگر میرا عذر مقبول نہ ہو۔ تو اپنے شرکاء کو جمع کرو اور مشورہ کے بعد میرے سامنے آؤ۔ بے شک میرا ولی خدا ہے۔ جس نے "کتاب" اُتاری ہے اور وہی یار و مددگار ہے ؎

"دیکھو تم لوگ میرا نسب دیکھو۔ میں کون ہوں اور ذرا اپنے گریبان میں سر ڈالو۔ کیا میرا قتل اور میری آبرو ریزی تمہارے لئے جائز ہے۔ کیا میں نبی کا نواسہ نہیں ہوں اور اُن کے چچا زاد بھائی بلکہ افضل ترین مؤمنین کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا حضرت حمزہ سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہ تھے۔ کیا حضرت جعفر شہید طیارؓ میرے چچا نہیں۔ کیا تم کو یہ خبر نہیں پہنچی۔ کہ رسُولؐ اللہ نے مجھ کو اور میرے بھائی کو جوانانِ جنّت کا سردار اور "مسلمانوں کے لئے آنکھ کی ٹھنڈک" فرمایا ہے۔ بہر نوع میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے اس کی تصدیق کرو۔ کیا یہ سچ نہیں! بخدا جب سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ خدا جھوٹ سے ناراض ہوتا ہے۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ذرا جابر بن عبداللہ یا ابو سعید یا سہیل بن سعد یا زید بن ارقم سے دریافت کرو۔ کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں صحیح ہے یا نہیں؟ کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو تم کو میری خونریزی سے روکے۔ سنو اگر تم لوگ میرے بیان کے متعلق مشکوک ہو یا میرے نواسۂ رسُولؐ ہونے پر شک کرتے ہو۔ تو واللہ تمام مشرق و مغرب میں میرے سوا تمہارے نبیؐ کا نہ تم میں کوئی اور

لہ مقتل ابی مخنف صـ ۵۶

Marfat.com

نواسہ ہے اور نہ کسی غیر میں۔ اگر ہو تو بتاؤ۔ کیا میں نے تم میں سے کسی کو مار ڈالا ہے جس کا عوض مجھ سے طلب کرتے ہو۔ یا میں نے تمہارے کسی مال کو ضائع کر دیا ہے۔ جس کا معاوضہ مانگتے ہو۔ آخر یہ قصاص کس چیز کا ہے"؟

جب یزید کے لشکر والوں نے ان میں سے کسی بات کا جواب نہیں دیا تو آپ نے نام بنام پکار کر خطاب کیا اور کہا۔ "کیا تم نے خود مجھ کو نہیں بلایا اور خطوط نہیں بھیجے"؟ اس پر ان لوگوں نے انکار کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ "نہیں بے شک تمہیں نے بلایا۔ اور اگر اب تم کو مجھ سے نفرت ہے تو مجھے چھوڑ دو۔ میں کسی محفوظ سرزمین کی طرف چلا جاؤں"۔ اس پر قیس ابن اشعث نے کہا۔ "کہ تم ابن زیاد کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟ وہ تمہاری بُرائی کا خواہاں نہ ہوگا"۔ اس کے جواب میں حضرت حسینؑ نے فرمایا۔ "کیا تیرا یہ مقصد ہے کہ بنی ہاشم مسلمؓ بن عقیل کے علاوہ اوروں کا بھی خون بہا تجھ سے طلب کریں۔ خدا کی قسم میں ذلیل و خوار ہو کر تمہارا مطیع نہ ہونگا! ورنہ میں غلاموں کی طرح مجبور ہو کر اس کی امارت کا اقرار کروں گا۔ اے اللہ کے بندو میں اپنے اور تمہارے رب سے امن کا خواستگار ہوں اور ہر متکبر انسان اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں"۔

غرض یہ اور اسی قسم کی اور تمام عقلی و نقلی تدبیروں پر عمل درآمد کے بعد یکے بعد دیگرے آپ کے انصار اور اہلِ بیت اطہارؑ اور پھر بذاتِ خود آپ اسی رن میں شہید ہوئے۔ آپ کے اصرار پر بھی کسی شخص نے آپ کو میدانِ جنگ میں پہلے نہ جانے دیا۔ حتیٰ کہ آپ صبر و رضا اور زہد و اتقا کی تمام منزلیں طے کر لینے کے بعد سربکف ہوئے اور دنیائے آزادی و حریت کے لئے ایک

Marfat.com

شاہ راہ بنا گئے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس خونی ڈرامے کے خاص پارٹ کرنے والے یہی افراد ہیں۔ یزید ابنِ زیاد۔ عمر بن سعد۔ شمر ذی الجوشن۔ سنان بن انس حصین بن نمیر وغیرہ۔ حضرت حرؓ اس لئے مُستثنیٰ ہونے کے قابل ہیں کہ آپ کا رویّہ ہمدردانہ زیادہ رہا ہے۔ چنانچہ آپ عین میدانِ جنگ میں حضرت حسینؓ کی طرف سے صف آرا ہو کر شریکِ جنگ ہوئے اور آپ ہی کی ہمدردی میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے ۔

سانحۂ کربلا دنیا کا سب سے زیادہ دردانگیز اور دلگداز سانحہ مانا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے دشمنانِ اہلِ بیت نے بھی اس سے متاثر ہو کر میدانِ جنگ کو چھوڑ دیا تھا۔ حر بن یزید التمیمی کا بیان اس موقع پر سُننے کے قابل ہے۔ جو ان مظالم کو دیکھ کر حضرت حسینؓ کی جماعت سے مل گئے اور آپ ہی کی طرف سے شہید ہوئے جناب حرؓ نے ظالم دشمن سے اس طرح خطاب کیا ہے ۔

اے لوگو تم حسینؓ کی ان شرائط کو جو وہ پیش کرتے ہیں۔ کیوں نہیں قبول کرتے۔ اللہ تعالیٰ تم کو دارین میں فلاح عنایت کرے گا۔ اور تم کو ان کی لڑائی اور قتل سے نجات دیگا۔ اے اہلِ کوفہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے خود ان کو بلایا۔ اور وہ جب اس غرض سے تشریف لائے۔ کہ تم ان کی اعانت کرو۔ اور ان کا ساتھ دو۔ تو تم ان کے قتل پر کمر بستہ ہو گئے۔ اس پر طرّہ یہ ہے۔ کہ تم نے ان کو اس طرح گھیر لیا ہے۔ کہ وہ کہیں نہیں جا سکتے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ تم نے ان کو قیدیوں کی طرح گرفتار کر لیا کسی ملجا و مامن کی طرف نہیں جانے

[1] ابنِ خلدون ص۱۸

Marfat.com

دیتے۔ نہ وہ نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نہ کسی ضرر کو دفع کر سکتے ہیں۔ تم نے ان کو آبِ فرات سے روک دیا جس سے یہودی و نصرانی و مجوسی سیراب ہوتے ہیں۔ کُتّے۔ سُور اور کل چرند و پرند اس کو پیتے ہیں۔ کیا یہ حسینؓ اس قابل بھی نہیں ہیں۔ وہ اور ان کے ہمراہی شدّتِ تشنگی سے بے ہوش ہو رہے ہیں غضب! تم لوگوں نے رسولُ اللہ کے اہلِ بیت سے کیا اچھا برتاؤ کیا۔ اگر تم اپنے اس فعل سے توبہ نہ کرو گے اور محافظین کو دریائے فرات سے نہ ہٹاؤ گے تو قیامت کے روز جب لوگ تشنگی سے بے چین ہونگے۔ اللہ تعالیٰ بھی تم کو سیراب نہ کریگا"۔

غرض میدانِ کربلا کے یہی دردانگیز مناظر ہیں۔ جن کا خیال کر کے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اکثر مورخین ان واقعات پر متفق ہیں۔ کہ جب حضرت امامؓ میدانِ جنگ میں برسرِ پیکار ہوئے۔ تو انتہائے تشنگی اور شہادتِ اعزہ کے باوجود آپنے پوری دادِ شجاعت دی پھر آپ تن تنہا تھے! اور دشمن بے شمار آپ پر سب سے پہلے ایک شخص زراعہ ابن شریک نامی نے تلوار کا وار کیا جس سے آپ کا بازوئے مبارک زخمی ہوا۔ پھر سنان بن انس نے نیزہ کا وار کیا۔ جس کی وجہ سے آپ لڑتے لڑتے زمین پر اُتر آئے اور سر بسجدہ ہو گئے۔ اولاً خولی بن یزید نے آپ کا سر کاٹنا چاہا مگر وہ لرزہ براندام ہو گیا۔ اس لئے سنان بن انس نے اس کو جھڑکا اور پھر فرقِ مبارک کو تن سے جُدا کر لیا۔ آپ کے جسمِ مبارک پر ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ زخم تلوار کے پائے گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد دشمنانِ اسلام کا لشکر آلِ رسولؐ کا مال و اسباب لوٹنے کی طرف متوجہ ہوا اسباب۔ فرش و فروش۔ اونٹ۔ غلہ یہاں تک کہ عورتوں کی چادریں بھی لُوٹ لیں شمر بن ذی الجوشن نے حضرت زین العابدینؓ کے قتل کا ارادہ کیا۔ جو اس وقت بیمار

Marfat.com

تھے۔ مگر حمید بن مسلمؓ نے اس کو اس ناپاک ارادہ سے باز رکھا۔ اس کے بعد یہ قافلہ اہلِ بیت اطہار مع فرقِ مبارکِ حضرت حسینؑ عمر ابنِ سعد کی سرکردگی میں ابنِ زیاد کے یہاں پابہ زنجیر روانہ کیا گیا پھر عبیداللہ بن زیاد کے یہاں سے یزید کے پاس بھیجا گیا۔ اس دورانِ سفر میں سیاسی پروپیگنڈے کے ماتحت اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی۔ کہ پبلک برانگیختہ نہ ہو۔ بلکہ یہ بھی روایت کی جاتی ہے۔ کہ اہلبیت کو مردانہ لباس پہنایا گیا۔ مگر یہ کیونکر ممکن تھا۔ کہ نواسۂ رسولؐ مع اہلبیت اطہار شہید ہوں! ور اسلامی دنیا بے خبر رہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ یزید فرق مبارک اور اہلبیت کی حالتِ زار دیکھکر آبدیدہ ہو گیا۔ اور اس کو سخت ندامت ہوئی۔ لیکن اس کا دامن اس واقعہ کی سیاسی و مذہبی ذمہ داری سے کبھی نہیں پاک ہو سکتا۔

حضرتؑ امام کا فرق مبارک ایک مدت کے بعد نعش مبارک کے ساتھ کربلا ہی میں دفن کیا گیا۔ اس لئے کہ چند دنوں بعد اس کو دمشق سے واپس کر دیا گیا تھا۔ لیکن بعض مورخین کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ اُسے دمشق میں دفن کیا گیا۔ ابنِ خلدون کا بیان ہے۔ کہ آپ کی نعش مبارک کو اسی میدانِ کربلا میں گھوڑے کے سموں سے پامال کرایا گیا۔ مقتولین میں بہتر آدمی آپ کے ہمراہیوں میں اور مجروحین کے علاوہ ۸۰ آدمی لشکرِ شام کے پائے گئے۔ شام کے مقتولین پر عمر بن سعد نے نماز جنازہ پڑھائی! ور وہ ان کو دفن کر کے راہی ہو گیا۔ دوسرے دن بنو اسد غاضریہ سے آئے تو اُنہوں نے امام حسینؑ اور اُن کے ہمراہیوں کو دفن کیا۔ جو اہلبیتِ اطہار اس میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ اُن کی فہرست درج ذیل ہے:۔

لے نور العین بہ روایت ہشام صفحہ ۱۵ از ابو اسحٰق اسفراینی

Marfat.com

فہرستِ شہدائے اہلبیت اطہار علیہم السّلام

(۱) حضرت علی بن امام حسینؑ
(۲) 〃 عبداللہ بن امام حسینؑ
(۳) 〃 عون بن عبداللہ بن جعفر بن ابیطالب
(۴) 〃 عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابیطالبؓ
(۵) 〃 ابوبکر بن حسینؑ بن علیؑ
(۶) 〃 عبداللہ بن علیؑ
(۷) 〃 عثمان بن علیؑ
(۸) 〃 محمد بن علیؑ بن ابیطالب
(۹) 〃 عباسؓ بن ابیطالب
(۱۰) حضرت جعفر بن علیؑ
(۱۱) 〃 ابوبکر ابن حسنؑ بن علیؑ
(۱۲) 〃 قاسم 〃 〃 〃 〃
(۱۳) 〃 جعفر بن عقیل ابن ابیطالبؓ
(۱۴) 〃 عبدالرحمٰن 〃 〃 〃 〃
(۱۵) 〃 عبداللہ 〃 〃 〃 〃
(۱۶) 〃 عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ
(۱۷) 〃 محمد بن سعیدؓ 〃 〃

غرض حضرت امام حسینؑ کا مزار مبارک اسی میدانِ کربلا میں ہے۔ جہاں ہزاروں زائرین و عقیدتمند آپ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ اور اسی لئے اس جگہ کو کربلائے معلّٰی کہتے ہیں۔ آپ کے قاتل تقریباً سب کے سب تھوڑے ہی دنوں میں جہنّم واصل ہوئے۔ مختار بن عبیداللہ ثقفی نے ۶۶ھ میں مروان بن عبدالملک کے خلاف حضرت حسینؑ کا بدلہ لینے کی غرض سے علمِ بغاوت بلند کیا۔ اور شمر اور ابنِ سعد کو قتل کر کے اُن کے سر حضرت محمد بن حنفیہؓ کے پاس (جو حضرت امام حسنؑ کے سوتیلے بھائی تھے) بھجوا دیئے +

Marfat.com

اسی شخص نے ۶۷ھ میں ابن زیاد سے لڑ کر اس کو قتل کیا۔ اور اس کی لاش آگ میں جلا دی ٭

غرض یہ مختصر خاکہ ہے۔ ان تاریخی واقعات کا جن پر ہم فلسفۂ اخلاق و سیرت کے نقطۂ نگاہ سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں بحث کریں گے۔ ناظرین کو آئندہ تبصرہ و تنقید کے سلسلہ میں جہاں کہیں حوالہ کی ضرورت ہو۔ تو اسی خلاصہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

سرِ خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملّتِ ما سازگار آمد

Marfat.com

خصوصیاتِ حضرت حسینؑ

(تیمناً)

Marfat.com

خصوصیّات حضرت حسینؑ

(تیمناً)

یا سرخرو نظر آ اس رزمگاہِ غم میں
یا اپنے خونِ دل سے خود لالہ زار بن جا
نکہت شاہجہانپوری

حضرتِ امام حسینؑ کی سیرت میں بہت سی عجیب و غریب خصوصیّات پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان سب کا بیان کرنا اس کتاب کا مقصود نہیں۔ میں تبرّکاً چند حوالوں پر اکتفا کروں گا رسول اللہ تمام دنیا کے لئے اسوہ حسنہ تھے! ورآپ کی ذات رسُول گرامی کی آغوش عاطفت میں پلی بڑھی تھی۔ اس لئے آپ کی سیرت ایثار و حریّت، جوانمردی و شجاعت، کمالِ انسانیت، صبر آزمائی زہد و اتقا بلکہ نظامی و عسکری شعبوں میں صفات اسلامی کا ایک روشن آئینہ تھی۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آپ کی مدت حمل[1] چھ ماہ تھی۔ جو قدرت کی بوقلمونی کا ایک کرشمہ ہے اور کم از کم اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ آپ کے قوائے ذہنی و جسمانی کی تکمیل نسبتاً ان تمام بچوں سے جُدا گانہ تھی۔ جو عام قانونِ فطرت کے ماتحت پلتے بڑھتے ہیں۔ آپ کا نام نامی حسینؑ تھا جس کے معنی پیارے اور خوبصورت کے ہوتے ہیں اور آپ سے پہلے یہ نام کسی نے نہیں رکھا۔ آپ سنہ ۴ھ میں پیدا ہُوئے۔ آپ کا دوسرا نام شبّیر بھی تھا۔ جو بقول ماہرین السنہ لاطینی یا عبرانی لفظ ہے

[1] الحسین مصنفہ علی جلال الحسینی مطبوعہ مصر

Marfat.com

اور لفظ حسینؑ کے ہم معنی ہے۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ مختلف تاریخوں میں آپ کے خطابات مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ رشید۔ طیب۔ ذکی۔ الوفی۔ السید۔ المبارک۔ تابع۔ سبط۔ آپ ابتدا سے سرگرم عمل رہنے والے باوقار بچوں میں تھے اسی لئے رسولِ گرامی کا مقولہ تھا۔ کہ حسنؑ وحسینؑ نوجوانانِ جنت کے سردار ہونگے۔ بہرحال حضرت حسینؑ علیہ السلام کے متعلق یہ قول ہمارے موجودہ نوجوانوں کے لئے ایک درسِ عبرت ہے۔ آپ کے لئے جنت یا جاودانی راحت اس لئے مقدر نہیں تھی۔ کہ آپ رسول اللہ کے نواسے تھے۔ بلکہ وہی ذاتی جوہر کی چمک اور پاکیزہ سیرت کی نور افگن شعاعیں نگاہِ رسول کو نظر آ رہی تھیں جن کی بنا پر بچپن ہی میں آپ کے لئے یہ پیشینگوئی کی گئی تھی۔

سنیے رسول اللہ کے دوش مبارک پر کون سوار ہو سکتا تھا! ایک بار آپ حضرت حسینؑ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر کہیں لئے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک صحابی ملے۔ اور انہوں نے حضرت حسینؑ سے خطاب کیا "نعم المرکب رکبت یا غلام" اے لڑکے تیری سواری کس قدر اچھی ہے۔ حضرت امامؑ چونکہ بچے تھے اس لئے مسکرا کر چپ ہو گئے۔ مگر رسول اللہ کا جوشِ محبت نہ رک سکا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ بھی تو کہو۔ "نعم الراکب وھو یرکب" یعنی اس سواری پر سوار ہونے والا بھی کیسا پیارا اور اچھا ہے۔ اسی طرح ام الفضل بنت حارث نے (جو آپ کی دایہ تھیں) کسی موقع پر آپ کو سختی سے گود میں لیا۔ اور آپ آزردہ خاطر ہوئے تو رسول اللہ سے نہ رہا گیا! اور فرمانے لگے۔ "مھلاً یا ام الفضل مھلاً" اے ام الفضل چھوڑ دے چھوڑ دے۔ نماز

ؔ نورالابصار صفحہ ۱۵۲ از شبلنجی

میں آپ کا رسولؐ اللہ کے شانوں پر کھیلنا بھی اکثر روایتوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ جس کے الفاظ حضرت حسنؓ و حسینؓ علیہ السلام کی سیرت اور رسولؐ اللہ کی انتہائی محبت پر روشنی ڈالتے ہیں حضرت امام دوش مبارک پر سوار ہیں۔ اور آپ فرما رہے ہیں۔ "نِعْمَ الجَمَلُ جَمَلُکُمَا وَ نِعْمَ العِدلانِ اَنْتُمَا"¹ یعنی تمہاری سواری بہت اچھی ہے۔ اور تم دونوں بھی بہت اچھے ہم پلہ سوار ہو"۔ اس کے علاوہ آپ کے بہت سے دلچسپ واقعات رسولؐ اللہ کی ذاتِ گرامی سے وابستہ ہیں۔ جو دُنیا کے کسی بچّہ کو نصیب نہیں ہو سکتے۔ رسولؐ اللہ نے "لَحْمُکَ لَحْمِی وَ دَمُکَ دَمِی" آپ ہی کے لئے فرمایا ہے۔ یعنی (اے حسینؓ) تیرا گوشت میرا گوشت ہے۔ اور تیرا خون میرا خون ہے۔ پھر ان سب فضائل کا دامن آپ کے پدرانہ جوشِ محبت و شفقت اور حضرت امامؑ کے ذاتی جوہرِ شرافت سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت حسینؓ کے لئے تاجدارِ عرب و عجم نے اکثر دعا فرمائی ہے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَ اَحِبَّ مَنْ اَحَبَّہٗ"۔ "اے میرے خدا حسینؓ مجھے بہت پیارا ہے۔ اس لئے تو بھی اسے پیارا سمجھ۔ اور جو اس کو محبوب سمجھے اس کو بھی دوست رکھ"۔ غرض یہ چند خصوصیات ہیں۔ جو رسولؐ اللہ کی آغوش میں تربیت پانے والے بچّے کے متعلق عرض کی گئی ہیں۔ حضرت علیؓ و حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے شفقت آمیز گہوارہ کے اثرات بھی اس موقع پر ذہن میں رکھنا چاہیئے۔ اور پھر یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ایسے پاکیزہ ماحول میں تربیت پانے والے نوجوانانِ جنّت کے سردار سے کس قسم کے محاسن و صفات اور کن زبردست کارناموں کی امید ہو سکتی ہے۔ بقول مولانا معین الدین چشتیؒ حضرت حسینؓ

---

¹ ترمذی شریف۔

Marfat.com

کی زندگی مندرجہ ذیل رُباعی کی پاکیزہ تفسیر ہے :- ؎

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ دیں پناہ است حسینؓ
سر داد و نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

Marfat.com

ایثارِ نفس و مال و اعزّہ

Marfat.com

ایثارِ نفس و مال و اعزّہ

سر برآر از گلشنِ تحقیق تا در کوئے عشق — کشتگانِ زندہ بینی انجمن در انجمن
در یکے صف کشتگاں بینی بہ تیغے چوں حسینؑ — در دگر صف خستگاں بینی بزہرے چوں حسنؑ
ہر خسے از رنگِ رفتارے بدیں رہ کے رسد — درد باید صبر سوز و مرد باید گام زن

دنیا میں ہر انسان کے لئے محبوب ترین چیزیں یہی ہیں سب سے پہلے اپنی جان پھر عزیز پھر مال و دولت وغیرہ۔ حضرتِ امام کو بھی بحیثیت انسان ان چیزوں سے محبّت ہونا چاہیے تھی مگر اس قسم کی نہیں جو زمانہ حاضرہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ یا جس میں جا و بیجا حلال و حرام اور روا و ناروا کے خیال کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ حضرت حسینؑ کا سیاسی اور مذہبی مسلک وہی تھا۔ جو اسلامی روح کا ہر ہر قدم پر سچا ترجمان ہے۔ آپ نے اپنی ذات کو آرام پسندی کی بناء پر ان مصائب و خطرات سے کبھی نہیں بچایا۔ جن کے لئے جان دینا روحِ ایمان اور عینِ اخلاق ہو سکتا تھا آپ کی پالیسی بحیثیتِ انسان موجودہ زمانہ کے بہترین سیاست دان اصحاب کی پالیسی نہ تھی۔ جو اپنے مفاد کی خاطر ستم ظریفی کے ساتھ سب کچھ کر جائیں اور پھر بھی اپنے خیال میں امن و انصاف کو ہاتھ سے نہ دیں۔ ایک دنیا ایسے سیاست دانوں کے اعمال پر شدت کے ساتھ تنقید کرتی ہے۔ لیکن اس دور کے سیاسی احوال اور حضرت امامؑ کی پالیسی پر ۱۳۰۰ برس کے تبصرے موجود ہیں۔ ان میں ایک ذوقِ سلیم رکھنے والا یہ نہیں کہہ سکا۔ کہ آپ نے اپنی جان و مال و اعزّہ کو حسنِ اخلاق وقار اور شرافتِ نفس کی بناء پر قربان کر دیا۔ وہ کسی

حیثیت سے قابلِ اعتراض ہو سکتا ہے۔ پھر یہ ایثارِ نفس و مال و اعزہ اس قسم کا معمولی ایثار نہیں تھا جس کے نظائر کسی دوسری جگہ صفحاتِ تاریخ میں مل سکیں۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ انھیں خصوصیات اور ایسی اعلیٰ شرافتِ اخلاق کے ساتھ حق پرستی کی خاطر جان دینے والے بہت کم ہوئے ہیں۔ حقیقتاً واقعۂ کربلا صرف شانِ مظلومیت کا مظہر نہیں ہے۔ بلکہ اس کی سب سے زبردست اہمیت انسانی سیرت کی پاکیزگی اور چند مکمل انسانوں کی باکمال فطرت سے وابستہ ہے۔ جس نے عملاً وہ کر دکھایا۔ جو آج کل کے انسانوں سے لفظاً بھی نہیں ہو سکتا +

میدانِ کربلا کے مادی مصائب یا ریگستانِ عرب کے جانسوز اور مہلک اثرات کا اندازہ آپ اپنی آرامگاہ میں بیٹھ کر ہرگز نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کیفیت و صعوبت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے گرم ہوا۔ تپتی ہوئی ریگ۔ جانکاہ تشنگی اور اسی قسم کی تمام زحمتوں کا تجربہ ضروری ہے۔ تاکہ احساسِ ایثار کی اُس اعلیٰ منزل پر کچھ نہ کچھ رسائی ہو سکے۔ جہاں حضرت امامؑ کی اور آپ کے متبعین اور اعزہ کی پاکیزہ فطرت سر مُو پیچھے نہ ہٹی۔ اور آخر وقت تک قائم رہی! دیکھئے! آپ میدانِ کربلا میں کس طرح جلوہ افروز ہیں؟ عزیز ترین گوشہ ہائے جگر کو دفن کر چکے ہیں! بہترین رفیق چھوٹ رہے ہیں! خاندان اور اہلِ کنبہ مظلومی کی انتہائی منزلوں میں ہیں! خواتین کا ننگ و ناموس مخالفین سے محفوظ نہیں ہے! تیروں کی بوچھار ہے! خیمہ کے اس پاس آگ کی خندق شعلہ فشاں ہے! تشنگی و کرب سے دل کے ٹکڑے ہو رہے ہیں! عزیز مریض و مجروح ہیں! لیکن آپ حقانیت اور ضمیر یا اسلامی مفاد کی خاطر ایک غاصب اور نااہل

Marfat.com

خلیفہ کی معزولی یا استیصال یزید کی نیت سے سب کو رخصت کر کے نبرد آزما ہوتے ہیں صفوں کی صفیں اُلٹ دیتے ہیں حتّٰی کہ ۲۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ زخم تلواروں کے کھا کر سربسجدہ شہید ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ گوارا نہیں ہوتا۔ کہ اس خلفشار میں اپنی جان و مال اور عزیزوں کو ڈپلومیسی یا ہیر پھیر اور منافقت سے بچالیں۔ پھر لطف یہ ہے۔ کہ یہ شہادت عالم مایوسی میں نہیں ہوتی۔ بلکہ ایقان و توکل ایمان و ضمیر شکر و صبر۔ ایثار و حریت کی وہ تاباں شعاعیں، جو فیض نبوّت سے ملی تھیں۔ اس وقت بھی آپ کے ساتھ ساتھ پوری تابانی میں ہیں۔ آپ شبِ شہادت میں اس طرح دُعا فرماتے ہیں:۔

"خدایا نتیجہ مجھ کو معلوم ہے۔ مگر میرے اصرار پر بھی میرے ساتھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتے میرے بھائی بہن بچے سب تجھ پر قربان ہوں۔ احکم الحاکمین میری ناچیز قربانی قبول فرما۔ میری التجا ہے۔ کہ بچّوں کی محبت میرے مقصدِ ایثار میں (جو تیرے لئے ہے) حائل نہ ہو۔ میرے حوصلے بلند کر۔ مجھے توفیق دے۔ کہ دشمن کے سامنے جری بنکر گلا کٹاؤں۔ عزیزوں کے جنازے اٹھاؤں۔ مگر زبان پر شکر و صبر کے سوا کچھ نہ ہو"۔[1]

اس تقریر سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ یہ جانی و مالی ایثار کس قسم کا تھا اور مظلومیت پر رونے دھونے کے بجائے حضرت حسینؓ کی سیرت میں کونسی مافوق الفطرت جرأت موجود تھی۔ جو حق کو ناحق سے علیحدہ کرنے کے لئے مضطرب تھی۔ یا حق و باطل کو یکجا دیکھنا ضمیر فروشی

---

[1] تاریخ شہادت ص۵۲ از راشد الخیری

Marfat.com

وبے ایمانی کا مرادف خیال کرتی تھی۔ پھر یہیں پر یہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ یہ قربانی کیوں ہے؟ دولت کے لئے نہیں، حکومت کے لئے نہیں، خلافت کے لئے نہیں، نام و نمود کے لئے نہیں، ملک و حدود کے لئے نہیں، صرف خدا کے لئے یا اسلامی مفاد کے لئے جمہوریت کیلئے۔ فسق و فجور ظلم و عصیاں کو مٹا دینے کے لئے، یزید کی نااہلیت کا قلع قمع کرنے کے لئے چنانچہ میدان جنگ میں آپ ہی کے یہ الفاظ ہیں کہ :-

"بیعتِ یزید ناممکن ہے۔ میں صبر و استقلال و استقامت و ایثار و خودداری کی بنیاد مسلمانوں کے لئے رکھتا ہوں۔ میں تجھے بتائے دیتا ہوں۔ کہ تیری توقعات پوری نہ ہوں گی اور دُنیا تجھ کو بہت جلد اپنا کرشمہ دکھا دے گی۔ خدا تجھ کو اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے۔ کہ میں چند روزہ زندگی کیواسطے ایک فاسق و فاجر کی بیعت کا دھبہ بنو فاطمہؓ کے دامن پر لگا جاؤں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے باضمیر بنایا۔ مجھے کھٹکا تھا۔ کہ کہیں میرا ضمیر بچوں کی محبت، اشفقتِ پدری کی بناء پر مجھ کو دغا نہ دے جائے۔ مگر نہیں یہ ماں کے دودھ کا اثر تھا۔ کہ جھوٹی توقعات اور فانی ضروریات حقیقت سے مغلوب ہو گئیں، اور میں سرخرو خدا کے حضور میں جاتا ہوں"۔

اہلِ نظر ذرا غور فرمائیں۔ کہ اس ایثار میں کونسی مادی یا ملکی ہوس کا جذبہ محرکِ شہادت ہوا ہے اور پھر فیصلہ کر لیں۔ کہ جس خلافت کے پیچھے شیعہ و سُنی حضرات لڑ رہے ہیں۔ اس

لے تاریخ شہادت ص ۲۰۴

کو اس سے کیا واسطہ ہے یا پھر حضرت حسینؓ کی پاکیزہ فطرت جس ایثارِ نفس و مال و دولت کو زندگی کے ہر شعبہ میں چاہتی ہے۔ وہ ان میں کہاں تک ہے حضرتِ امام علیہ السلام کی مختلف سرگرمیوں سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ آپ اسلامی اصول کو پاکیزہ عمل کا ایک نتیجہ یا محرک سمجھتے تھے اور خالی تسبیح و وظائف کو جو آج کل کے رسم پرست مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ سر تا سر اسلام نہ سمجھتے تھے۔ ورنہ جگر گوشہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو اس ضرورت کا احساس ہی کیوں ہوتا کہ میدان کربلا میں صبر و رضا کے ساتھ جامِ شہادت نوش فرمائیں۔ اور گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر محض اللہ اللہ نہ کریں۔ بقول اقبالؒ ؎

آہ اس راز سے واقف ہے نہ مُلا نہ فقیر + وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام

قوم کیا چیز ہے۔ قوموں کی امامت کیا ہے + اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

مُسلمانوں کا ایک سیاسی مغالطہ

اسی سلسلۂ شہادتِ حسینؑ میں ذرا موجودہ سیاست پر بھی ایک نظر ڈالئے۔ اس وقت کی دنیا میں قومی مفاد کے بجائے ذاتی مفاد، خدمتِ خلق کے بجائے نمائش اور قیادت کی ہوس، مذہبی روح کے بجائے محض سیاسی رنگ آمیزی، کارگر ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ موجودہ بزرگانِ ملت کا نشو و نما چونکہ مغربی فضا کا مرہون ہے۔ اس لئے ان کے مغرب زدہ دماغ اُن اسلامی اصولوں پہ غور و خوض کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ جن کی روحِ رواں حقیقی ایثار و بے لوث قربانی ہو۔ یا جن کی بنیادیں اسلامی کلچر سے وابستہ ہوں۔ یہ بلا خوف و خطر نظام یورپ پر چل رہے ہیں

Marfat.com

ہیں۔ اور یہ سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ ان کی سرگرمیوں کے جو اثرات مرتب ہونگے۔ وہ اسلامی ثمرات کے حامل ہونگے۔ حالانکہ ان دونوں کے نظام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اجمالی اشارات آئندہ ملاحظہ فرمایئے۔ اور اس موقع پر صرف یہ ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ یورپ کا جو نظام حیات بلاامتیاز نیک و بد و خیال فلاح و بہبود ہمارے ذہنوں پر محیط ہے۔ اس کے اثرات کیا ہوئے ؟ اب تک جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ کیا ہے ؟ اور آئندہ کیا ہونے والا ہے ؟ سر سید علیہ الرحمتہ نے قوم کو سنبھالنے کے لئے جو کچھ کیا۔ وہ بھی اندھی تقلید کے خلاف جہاد تھا۔ مگر اس اسکول کے مقلدین نے اس راستہ کا بھی اتباع نہ کیا۔ انہوں نے مذہبی تقشف کو دور کرنے کے لئے یورپ کے علوم و فنون کو متعارف کیا۔ مریدوں نے مذہبی روح کو خیرباد کہکر اپنے آپ کو مغربی تقلید کا دلدادہ بنا لیا۔ ان کا دل و دماغ یورپ کے سانچہ میں ڈھلنے لگا۔ اور خوب ڈھلا۔ جو کچھ اپنے پاس تھا۔ وہ بھی کھو دیا۔ مذہبی طبقہ زمانۂ حاضرہ کی سیاست سے کورا رہا۔ نیا طبقہ مذہبیات سے نابلد۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اسلامی نظریات ایک گوشۂ عافیت میں چھوڑ دیئے گئے۔ ان اصولوں کی وہ مسیحائی جس نے عرب جیسی بے جان قوم کو زندہ کیا تھا۔ بے کار سمجھ لی گئی۔ آج قحط الرجال ہے۔ دوسری ہمسایہ قوموں میں جو اعتدالی راہ پر قائم رہیں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں قابل قدر افراد پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن مسلمان ایک قائد کے رخصت ہو جانے پر اسی قسم کا دوسرا نہیں پاتے۔ اور ہمارے برادران ملت بے سری فوج کی طرح ہر شعبۂ زندگی میں ایک صحیح قائد سے محروم ہیں۔ آج ہمارا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ لکھنا پڑھنا۔ چلنا پھرنا۔ بولنا۔ سوچنا بلکہ ہر فعل و عمل اسلامی طریقۂ تمدن کا حامل نہیں۔ اور اسی

Marfat.com

بنا پر اسلامی سیرت کی خصوصیات بھی یکسر مفقود ہیں۔ جو کبھی ایک دنیا کے لئے درسِ عمل تھیں۔ ہم میں سے بہت سے افراد جو آئینِ یورپ کے سراہنے والے ہیں۔ اب تک اس حقیقت سے غافل ہیں۔ کہ جس مادی آزادی اور مغربی حریت کو وہ اپنی قومی فلاح کا موجب سمجھتے ہیں۔ وہ اُن کو کبھی راس نہیں آسکتی۔ اہلِ یورپ کی طرح آسمانی پیغام کی حقارت، رنگ و قوم اور جغرافیائی حدود، اخلاقی اصول سے بے اعتنائی نیشنلزم کی تنگ نظرفی، حلال و حرام کا عدم امتیاز، صرف دنیاوی فلاح و بہبود کا خیال، روحانیت یا عالمِ عقبیٰ کی طرف عدمِ توجہ، اسلامی دائرۂ عمل کے خلاف محض مادیت، اسلام کے نظامِ حیات کے لئے سخت مہلک چیزیں ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ مغرب کے یہ نئے آئین و قوانین چند روزہ بہار کی طرح آپ کو سرسبز بنا دیں۔ مگر پھر ان سب کا انجام اخلاقی و روحانی فضا کی ویرانی ہے۔ جس کے بغیر آپ کی زندگی حقیقی زندگی نہیں بن سکتی۔ قانونِ اسلام اور اس کی خصوصیات کی ترمیم بے سود ہے۔ اس کے متعلق خود فیصلہ کیجئے۔ کہ آپ کیا تھے! اور اب کیا ہیں؟ غالباً آپ یہ نہیں سوچتے۔ کہ یورپ خود اپنے تمدنی نظام سے تقریباً بیزار ہے۔ اس کے ہر شعبۂ زندگی میں عدمِ اعتماد کی روح موجود ہے، اس کی دُنیا میں پاکیزگیٔ اخلاق ایک رسمی نمائش کا نام ہے، مزدور و سرمایہ دار میں سخت کشمکش ہے، بیکاری کی لعنت ایشیا سے زیادہ اسی پر محیط ہے۔ عورتوں کی غیر محدود آزادی وبالِ جان بن چکی ہے۔ اسی طرح کمزور اقوام پر تصرف، خونخوار اسلحہ کی زیادتی مہیب اور عالمگیر جنگ کی خونریزی جو سر پر منڈلا رہی ہے۔ اس پر "ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند" کا خوفناک اصول اسی نظریہ یورپ کے بیّن اثرات اور کھلے ہوئے نتائج میں ہے۔ اٹلی نے افریقہ کے ساتھ کیا کیا، رائن لینڈ، آسٹریا

Marfat.com

زیکوسلیویا۔ البانیا میں کیا ہوا۔ جاپان اور چین میں کیا ہو رہا ہے؟ ناروے اور ڈنمارک کس قسم کی ہوس کا شکار ہیں فلسطین میں یہودیوں کا اقتدار اور عربوں کی خونریزی اور اسی قسم کے دیگر واقعاتِ حاضرہ ذرا ہمارے نقطۂ نگاہ سے مطالعہ فرمائیے۔ اسلام اس قسم کے اصول کا کبھی مؤید نہیں رہا۔ اور نہ ہوگا۔ اسی لئے یہ نتیجہ بالکل صحیح سمجھنا چاہیئے۔ کہ تقلیدِ یورپ کے اصول جن سے آپ کو مسیحائی کی امید ہے۔ آپ کے لئے زیادہ تر خطرناک ثابت ہوئے اور ہو چکے ہیں۔ آپ کی روح حریت ایسی محکومانہ تقلید کی ہرگز طالب نہیں ہے۔ جو ظلم و استبداد اور انصاف و حق پرستی کے حدود کو یکجا کر دے۔ آپ کا نظامِ زندگی ایسی حریت و استقلال کو نہیں چاہتا۔ جس میں باضمیری اور خدا پرستی کا عنصر بالکل نہ ہو۔ سنئے آپ بحیثیت مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کے اعمال و افعال اسلام کی ہمہ گیر انسانیت و اخوت، ایمانداری اور راستبازی، ایثار و عفاف، عبادت و اتقا، حریت و آزادی یا مجملاً اثرات توحید و نبوت کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ دیکھئے اسلام کو دقیانوسی مذہب نہ خیال فرمائیے۔ یہ آج بھی اپنے ہمہ گیر اصولوں سے ایسا ہی قابلِ عمل ہے۔ جس طرح ۵۰ ہزار برس بعد ہوگا۔ بلکہ تمام یورپ کی ترقی و فلاح اسی کی مرہون ہے۔ آپ غالباً واقف نہیں۔ کہ یورپ کے اربابِ نظر بھی اسی فیصلہ سے متفق ہیں۔ ہاں آپ نے کبھی اس طرف بھی ایک نگاہ ڈالی۔ کہ اسلامی اصول کو چھوڑ کر قومِ عرب نے سیاسی وحدت کا جو خواب دیکھا۔ اس کی تعبیر کیا ہوئی، اور اب وہ کس حال میں ہیں۔ بیت المقدس کس طرح گیا۔ فلسطین میں کیا ہو رہا ہے۔ تقسیم اور وسیع سلطنت کس طرح پارہ پارہ کر دی گئی۔ ان تمام خرابیوں کا سرچشمہ صرف وہی غلط اصول ہے جسے ہم نے

Marfat.com

سیاسی مغالطہ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی کورانہ تقلید و ذہنی محکومیت یا بالفاظ دیگر اسلامیت سے بے اعتنائی اور سر تا سر مغرب زدگی، جس نے دنیائے اسلام کو وہ برُے دن دکھائے۔ جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ یہی کمزوری تمام دنیائے اسلام پر چھائی ہوئی ہے اور بالکنایہ یوں سمجھئے۔ کہ اسی امپیریلزم کے خلاف حضرت حسینؓ نے اس قدیم دور میں جہاد کیا اور خوب کیا بقولِ اقبالؒ ے

آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور　　نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
وہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور　　زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر

بہر نوع میدان کربلا کے مجاہدانہ سلسلہ میں بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ اب دوبارہ حضرتِ امامؑ کی سیرت پر ایک نظر ڈالئے +

دیکھئے جو لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت حسینؓ نے سرمایہ دار بننے کی خاطر یہ جہاد کیا وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اس لئے کہ یوں بھی آپ کی زندگی اوسط درجہ کی خوشحالی کے ساتھ گزرتی تھی۔ آپ نے مختلف معرکوں میں عملاً حصّہ لیا۔ اور سلسلۂ جہاد کے قانون میں کوئی مسلمان سپاہی کبھی مفلوک الحال نہیں رہ سکتا۔ دشمن کے مقتول سپاہی کا گھوڑا اور جوڑا اور اسی قسم کے شخصی املاک جو منقولہ ہوں۔ حاصل میں اسی کا حصّہ ہوتا ہے۔ پھر مال غنیمت کی حصّہ وار تقسیم گورنمنٹ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خلفاء رسولؐ نے آپ کے حصّہ کو بلحاظ فضل و بزرگی ہمیشہ زیادہ رکھا ہے اور اس پر اس وقت کے معاصرین میں قدو قدح بھی ہوئی ہے خود امیر معاویہؓ نے دس لاکھ دینار[1]

[1] ابن قتیبہ ص "الف الف دینار"۔ (نوٹ) یہ دس لاکھ دینار موجودہ سونے کے بازار (بقیہ نوٹ ص پر) ملاحظہ ہو

سالانہ آپ کے لئے مقرر کئے تھے۔ ان ذرائع آمد کے علاوہ ایک سلیم الطبع انسان کے ذہن میں یہ خیال نہیں آسکتا۔ کہ مسجد نبوی مالِ غنیمت سے لبریز ہو۔ فتوحات پر فتوحات ہو رہی ہوں اسلامی فوج جس طرف جائے مظفر و منصور واپس آئے۔ تمام مسلمان خوشحال ہوں۔ اور حضرت حسینؓ ذاتی جوہر رکھنے کے باوجود مال و دولت یا سرمایہ داری کی ہوس کریں۔ اور ہماری آپ کی طرح حقوقِ خلافت کو دولت طلبی سمجھ کر میدانِ کربلا میں نبرد آزما ہوں۔ یا ان کو معاش میں ایسی دقت پیش آتی ہو۔ کہ دین سے ہٹ کر محض دنیا کی طرف آجائیں۔ پھر یہ بھی نہ بھولئے۔ کہ موجودہ سرمایہ داری جو اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔ خاندانِ رسالت کا مطمح نگاہ نہیں بن سکتی رسول اللہ کی تربیت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اور کبھی نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اہلبیت اطہار قدرتاً فیاضی و سخاوت کا مجسمہ تھے۔ جو کچھ ملتا تھا۔ اس سے زائد فی سبیل اللہ صرف کرنے کے لئے

(نوٹ بقیہ صفحہ ۴۷) کے لحاظ سے بہت زیادہ رقم ہوتی ہے مگر اس میں کتنا حصّہ حضرت حسینؓ کو ملتا تھا۔ اس کا ثبوت جرح طلب ہے۔ حساب درج ذیل ہے۔ ایک دینار ایک مثقال سونے کے برابر ہے اور شرعی مثقال کی قیمت موجودہ سونے کے نرخ کے لحاظ سے تقریباً ۱۳؎ ہوتی ہے۔ اس نسبت سے الف الف دینار کی قیمت ایک کروڑ تیس لاکھ روپے ہوتے ہیں (از دائرۃ المعارف بستانی و کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ مطبوعہ مصر) دوسرا حوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے صفحہ ۵۰۹ جلد ۱۶ (نواں ایڈیشن) میں ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیہ مقررہ فی کس ۴ دینار سالانہ تھا۔ یعنی ۳۲ شلنگ (تقریباً) اس لحاظ سے ایک دینار ۸ شلنگ کے برابر ہوتا ہے۔ اور موجودہ سونے کے نرخ سے (جو ۱۱۱؎ فی پاؤنڈ ہے) ۹؎ ایک دینار کی قیمت ہوتی ہے۔ اس حساب سے حضرت معاویہ کی طرف سے آپ کو ۹۵ لاکھ روپیہ سالانہ ملنا چاہئے تھے +

Marfat.com

ہر وقت تیار رہتے تھے۔ خود بھوکے اور پیاسے رہنا گوارا تھا مگر دوسروں کو شکم سیر اور سیراب بناتے تھے۔ اس لئے یہ نتیجہ نکالنا قطعاً غلط ہے۔ کہ ان میں کوئی فرد موجودہ سرمایہ دار کی ذہنیت رکھ سکتا تھا۔ یا اس کے خواب و خیال میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا تھا۔ یہی باعث ہے۔ کہ یہ خوشحالی روحانی و مادی لحاظ سے عملاً ما یحتاج تک محدود رہی اور لوگوں کو یہ خیال قائم کرنے کا موقع مل گیا۔ کہ کربلا میں نبرد آزمائی اسی دولتمندی و زرطلبی کا ایک اثر تھی۔ لیکن آپ کے احوال و اوضاع زندگی کا جائزہ لینے کے بعد اس خیال سے زیادہ بے بنیاد کوئی دوسرا خیال نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے۔ کہ ان اصولِ زندگی کے ماتحت حضرت حسینؓ کے پاس کون سے زر و جواہر جمع ہو گئے تھے۔ سادگی و سادہ روی جو بہترین اسلامی شعار ہے۔ آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اس لئے جو کچھ گرہستی ساتھ تھی۔ وہی میدانِ کربلا کو جاتے وقت ساتھ رہی۔ اور اسی حق پرستی کی جنگ پر قربان ہو گئی۔ اُن کے منقولہ سامان کا اگر کچھ حوالہ ملتا ہے۔ تو اس موقع پر جب مہاجرین اہلبیت کے خیمہ کی لوٹ مار ہوئی۔ کچھ چادریں۔ کچھ کھانے پینے کا سامان۔ کچھ اونٹ۔ کچھ گھوڑے۔ کچھ اسلحہ اور کچھ کپڑے۔ غرض سبطِ نبی کی یہ کائنات تھی۔ جو اس تحریکِ آزادی پر قربان کر دی گئی۔ جس کے دم سے ضمیر و ایمان کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ بقول مؤلف ؎

دل کی دنیا میں اگر ہو روحِ الفت موجزن
بے سر و سامانیاں ہیں باسر و سامانیاں (نکہت)

یہ سب اسی بے مثال جذبۂ ایثار کا نتیجہ تھا۔ کہ اہلبیت اطہار کا راحت و آرام، جان و دل، مال و متاع، ننگ و ناموس، گوشہ ہائے جگر، اور دیگر عزیز و احباب، اسلامی اصول کی

Marfat.com

حمایت میں نذر ہوئے۔ اور یقیناً یہی ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ ایسے بزرگان ملّت کو خُدا اور اس کے اسلامی قانون سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں ہو سکتی۔ بے شبہ یہ اسی جذبۂ ایثار کا ایک پہلو تھا۔ کہ خاتونانِ حرم کو خدا کی سپردی میں تنِ تنہا چھوڑ دیا گیا۔ اور تپتی ہُوئی زمین اور آتش فشاں گرمی میں بھُوک اور پیاس کے ساتھ شہادت گوارا کی گئی +

اسی سلسلۂ ایثار کی ایک اور نظیر ملاحظہ فرمایئے۔ مختلف تاریخیں شاہد ہیں۔ کہ حضرت عثمانؓ کے لئے پانی لے جانے والوں میں حضرت حسینؑ بھی تھے۔ تاکہ خلیفۂ ثالث ان دشمنوں کے نرغہ سے بچ سکیں۔ جو کثیر تعداد میں جمع ہو کر آپ کے کاشانۂ دولت کا محاصرہ کر چکے تھے۔ اور بے آب و دانہ بنانے کے بعد شہید کر کے رہے +

علیٰ ہذا! دمِ واپسین کا نازک وقت ہے۔ حضرت حسینؑ زخموں سے چُور چُور ہو کر گھوڑے پر سے اُترتے ہیں۔ شمر آپ کی طرف بڑھتا ہے۔ اور آپ کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ والاصفات اس وقت بھی دشمن کے ساتھ بھلائی سے باز نہیں آتی۔ فرماتے ہیں۔ کہ:-

"دیکھ[1] میں جامِ شہادت عنقریب پینے والا ہوں، تو خواہ مخواہ اپنے آپ کو کیوں جہنمی بناتا ہے۔ بچ"

قاتل یعنی شمر بن ذی الجوشن کو سخت تعجب ہوتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے "کہ اے حسینؑ تمہاری یہ حالت اور اب تک یہ جذبۂ ہدایت! مجھے سخت حیرت ہے کہ تم اب بھی بھلائی سے نہیں چُوکتے" غرض جس کے دل پر شقاوت کی مہر لگ چکی ہو۔ وہ کس طرح راہِ راست پر آئے۔ بہ روایت

[1] بستان الشہداء +

Marfat.com

بخاری شمر آپ کے فرق مبارک کو تن سے جُدا کر لیتا ہے۔ اور محسن عرب و العجم کے ساتھ یہ سلوک کر کے یزید اور اس کی قوم کے دامن کو ہمیشہ کے لئے داغدار بنا دیتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

اچھا اب ذرا جذبۂ حریت کے سلسلہ میں بہت سے بے بنیاد اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمایئے۔ یہی جذبۂ خاص آپ کی سیرت کا سب سے زیادہ شاندار پہلو ہے ۔

بانشۂ درویشی دم سازو دما دم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

(اقبالؒ)

Marfat.com

جذبۂ حُرّیت

Marfat.com

جذبۂ حُرّیت

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می ارزد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

ہندوستان کے غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کو اس جذبہ کی قدر سمجھنا ذرا دشوار ہے اس کا صحیح احساس انتہائی پامالی کے بعد ہوتا ہے۔ اور ہم لوگ ۵۷ء کے بعد سے اس مرحلہ کو طے کر رہے ہیں۔ بقول ہمارے ایک سیاح دوست مسٹر احمد چھاگلا (فیلو آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی و سیاح ممالک اسلامیہ) کے ہندوستانی مسلمان خصوصیت سے اس غلامانہ ذہنیت کی بنا پر تمام دنیا کے لئے شرمناک ہیں۔ ان کا ذکرِ خیر اچھے انداز سے کوئی قوم نہیں کرتی۔ بلکہ یہی سمجھتی ہے۔ کہ یہ لوگ جذبۂ حمیت و حریت سے قطعاً معرّا ہیں۔ یا تو ان کا مطمحِ نگاہ خطابات ہیں یا اغیار کی جاسوسی۔ یا اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف جہاد۔ کبھی تُرکوں سے جا بھڑے۔ کبھی مسئلہ خلافت کی حمایت میں ترکوں کی "قومی اسمبلی" کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ کبھی فلسطین میں جا پہنچے۔ پھر طرّہ یہ ہے۔ کہ آپس میں افتراق و فرقہ داری روح کے سوا آجتک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی بدولت دوسری قوموں کی نگاہ میں کھوئے ہوئے وقار کو برقرار رکھ سکتے۔ افسوس کہ ہندوستانی نوجوان مسلمان بھی یورپ میں پہنچکر اپنے وقار اور اسلامی سیرت کا حامل نظر نہیں آتا۔ وہ بھی اپنی اصلیت کو قطعاً بھول جاتا ہے[1]۔

---

[1] بقول اکبر الہ آبادی (رباعی صفحہ ۵۶ کے حاشیے پر)

Marfat.com

ہمارے سیاح دوست کا دنیائے اسلام کے متعلق یہ خیال بھی قابلِ اظہار ہے۔ کہ اس وقت ترک و عرب و مصر و ایران جس دور سے گزر رہے ہیں۔ اُس میں اصولِ اسلام سے اتنی بیگانگی نہیں ہے۔ جتنی کہ ہم لوگ سمجھ رہے ہیں بے شبہ ان کی آزادی و حکومت جغرافیائی حوائج کی بنا پر ایک علیحدہ تمدّن پیدا کر رہی ہے۔ جس کی فضا میں اسلامی اصول ذرا مکدر سے نظر آتے ہیں۔ مگر پلٹے ضرور جاتے ہیں۔ اور اپنی ہمہ گیری کی بنا پر یقیناً باقی رہیں گے۔ آپ کی رائے ہے۔ کہ ان افراد کا اسلام اور ان کا نیا کلچر اگر اسلامی اثر میں رنگا رہا۔ تو یہ سب خواہ منفرد و جداگانہ کیوں نہ ہوں۔ لیکن بحیثیت مجموعی ہر ملک ایسے افراد ضرور پیدا کرے گا۔ جو احیاء مذہب و ملت کا باعث ہونگے۔ ہم کو اس سے زیادہ بحث نہ کرنا چاہیے۔ کہ ترک و عرب و ایران و مصر اگر اپنا نیا تمدن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس لئے وہ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ نہیں۔ ضروریاتِ زمانہ ہر قوم کو ایسی تجدید کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ اسلامی کلچر بھی اور دوسرے تمدّنوں سے بہت زیادہ متاثر رہا ہے۔ اس لئے یہ انقلاب اگر اسلامی وحدتِ خیال و عمل کے ماتحت رُونما ہوا۔ تو بجائے مُضر ہونے کے یقیناً مفید ثابت ہوگا۔ اور مغرب و مشرق کی سیاسی و تمدّنی کشمکش ہرگز مایوس کُن نہ ہوگی ۔

بہر نوع مسٹر چھاگلا اپنے بیان کے ذمہ وار ہیں۔ ہمیں بہ سلسلۂ عنوانِ بالا صرف اس قدر عرض کرنا ہے۔ کہ مسلمانوں کا موجودہ مذاقِ حریت جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ نہایت افسوسناک

رباعی (۵۵) ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے — بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن میں یہ تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی — یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

Marfat.com

ہے۔ اور حضرت حسینؓ کا نام لیوا بنکر اُن کے نقش قدم سے انحراف کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میدانِ کربلا اصولِ آزادی وحریّت کا وہ زبردست معرکہ تھا۔ جو حضرت حسینؓ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فاتح بنا گیا بے شبہ اسی جذبہ حریت کے ردِ عمل نے سلطنتِ یزید کا تختہ اس طرح الٹ دیا۔ کہ تھوڑے ہی دنوں بعد مختار بن عبید اللہ نے انہیں دشمنانِ اہلبیت کی ہڈیاں قبروں سے نکلوا کر جلوا دیں۔ اور پھر اس یزید کا نام ایسا مٹا۔ کہ حضرت حسینؓ کے ہمنام گھر گھر موجود ہیں۔ اور یزید تمام دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی ہو۔ کاش کمزوری کو کمزوری سمجھ کر دب جانے والے۔ توپوں اور بندوقوں، ہوائی جہازوں اور مشین گنوں سے جھجکنے والے زمانۂ سابقہ کی اس نظیرِ حریت کو سیاست کی آنکھ سے دیکھیں اور پھر سمجھیں۔ کہ قدرت ہمیشہ آزادی واستقلال کی حامی رہی ہے۔ اور انجام کار اُسی حق کے پرستار کو فتح نصیب ہوتی ہے جو مادی رعب داب کو مغلوب بنا کر ہمیشہ کے لئے اپنے جذبۂ غلامی کو فنا کر دے۔ پھر کمزور اقوام کا یہ اصول اہلِ سیاست کے نزدیک بجائے خود بالکل غلط ہے۔ کہ توپیں یا بندوقیں یا تمام مادی قوتیں کسی روحانی یا باطنی حقیقت کو ایک منٹ کے لئے بھی دبا سکتی ہیں۔ بقول اقبالؒ ؎

صبحِ ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے — جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھکے ہو دریائے تند وتیز — ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

غرض یہ اجمالی اور عمومی تبصرہ بلحاظِ نفسیات و درسِ عبرت ایک سیاسی اشارہ سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ اب یہ سمجھنے کے لئے کہ ایک سچے مسلمان کو بے بسی اور بے کسی میں بھی غلامی سے کس قدر نفرت ہونا چاہئے۔ حضرت امامؑ کے سیاسی ومذہبی کارناموں پر نظر ڈالیئے۔

Marfat.com

اصل مسئلہ یزید کی بیعت سے شروع ہوتا ہے۔ جو زیادہ تر مذہبی ہے حضرت حسینؑ و عبداللہ بن زبیر و عبیدالرحمٰن بن ابوبکر و عبداللہ بن عمر بنی امیہ کی سیاسی ظلم و تعدی سے بیزار ہوکر بیعتِ یزید سے اس لئے منکر ہوتے ہیں۔ کہ ایسے انسان کی بیعت اسلام کشی اور ضمیر فروشی کے مرادف ہے۔ چنانچہ یہ سب مدینہ سے مکہ تشریف لے آتے ہیں۔ اور پھر اس تدبیر میں لگے رہتے ہیں۔ کہ ایسے فاسق و فاجر بادشاہ کو مسلمانوں کا قائد ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ جو ذاتی معاہدوں اور وعدوں کو ایک کھیل سمجھتا ہو۔ انصاف کو ذاتی رائے یا شخصی مفاد پر مرجح خیال کرتا ہو۔ اور خونریزی و بدکاری کے سوا اصولِ اسلام پر عمل درآمد کے لئے بالکل تیار نہ ہو۔

چنانچہ ان حالات کے رونما ہونے پر ضمیر و شمشیر میں رقابت شروع ہو جاتی ہے۔ حق و ناحق میں چشمکیں ہونے لگتی ہیں۔ نور و ظلمت کی صفیں آراستہ ہو جاتی ہیں۔ حضرت امام حسینؑ اپنی اعلیٰ اخلاقی جرأت کے ساتھ سب سے پہلے عزم کرتے ہیں۔ اور ایک جانباز۔ بہادر۔ غیور۔ حساس مدبّر۔ جری سپاہی یا مجاہد کی طرح ان تمام تدبیروں پر نظر ڈالتے ہیں۔ جن میں اسلامی مقصد کی فلاح مستور ہو۔ چنانچہ آپ ۲۰ ہزار کوفیوں کی اطلاع یا دعوت پر یزید کے مظالم کے خلاف احتجاج کے لئے کوفہ کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ روانگی سے قبل اور ذرائع حمل و نقل کی خرابی کے باوجود آپ کو پچاس خطوط اس قسم کے وصول ہوئے ہیں۔ جن میں اسباب کا یقین دلایا گیا ہے۔ کہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ آیئے اور جلد تشریف لایئے۔ پھر بھی حضرت امامؑ یہ حالات معلوم کر کے فوراً کوفہ روانہ نہیں ہوتے۔ بلکہ کوفیوں کی دروغ بافی اور پچھلے تاریخی تجربات کو ملحوظ رکھکر تصدیق کی غرض سے اپنے بھائی حضرت مسلم بن عقیلؑ کو پہلے روانہ کرتے ہیں۔ اور تصدیقی جواب

Marfat.com

کے منتظر رہتے ہیں۔ مگر کوئی خبر نہیں آتی۔ آپ کوچ کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اور اس وقت حضرت ابن عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر اعزا کے منع کرنے سے بھی نہیں رُکتے۔ وہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ یا حسینؑ یمن کی طرف چلے جاؤ۔ وہاں تمہارے حامی تمہیں مل سکیں گے۔ مگر آپ اُن کی رائے پر عمل نہیں کرتے۔ اور مع اہل و عیال کوفہ کا عزم کرتے ہیں۔ بقول فرانسیسی مورخ ڈوزی حضرت زبیرؓ و عباسؓ سے جو گفتگو اس موقع پر ہوتی ہے۔ وہ آپ کے پاکیزہ مقاصدِ سفر پر بخوبی روشنی ڈالتی ہے۔ حضرت ابن زبیرؓ جب آپ کو اس اقدام سے منع کرتے ہیں اور نہ مانے پر یہ فرماتے ہیں۔ کہ اچھا یا تو ہم بھی تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ یا پھر تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ لیکن ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ تم کو تن تنہا چھوڑ دیں۔ تو آپ انہیں جواب دیتے ہیں کہ "دیکھو میری روانگی کا مقصد لڑائی نہیں ہے۔ اگر لڑنا مقصود ہوتا۔ تو میں تم کو ضرور ساتھ لیتا یا پھر خاندان و کنبہ کی کیا ضرورت تھی" مطلب یہ ہے۔ کہ صرف صورتِ حال کا معاینہ کرنا ہے۔ چنانچہ آپ کے ہمدرد آپ کے جواب پر مطمئن ہو جاتے ہیں! اور حضرت امامؑ سفر کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔ راستہ میں خلاف توقع یہ دردانگیز خبر وصول ہوتی ہے۔ کہ کوفیوں نے حضرت مسلمؑ کو شہید کر دیا حضرت حسینؑ اس پر بھی میدان کوفہ کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔ اور انجام کار وہ خونی منظر سامنے آتا ہے۔ جس کو معرکۂ کربلا سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی میدان میں خواتینِ حرم اور حضرت زین العابدینؑ کے علاوہ سب کے سب شہید ہو جاتے ہیں +

Marfat.com

شُبہات و جوابات

بہرنوع یہ وہ مختصر واقعاتِ کربلا ہیں۔ جن پر موجودہ زاویۂ نگاہ سے درایت کے ماتحت مندرجہ ذیل سوالات قائم کئے جا سکتے ہیں۔ آپ سوالات اور ان کے اجمالی جوابات کو پڑھکر اپنی غلط خیالیوں یا شکوک کو دور کیجئے۔ یہی شبہات اکثر افراد کے دل و دماغ میں موجزن ہوتے ہیں اور مغرب زدگی کی وجہ سے ہو سکتے ہیں یعنی :-

(۱) حضرت امام حسینؑ کا عزم کربلا کہاں تک حق بجانب تھا۔ اور مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد آپ کو کیا پالیسی اختیار کرنا چاہئے تھی ؟

(۲) آپ کی یہ جدوجہد محض سیاسی تھی یا مذہبی کیا آپ حصولِ خلافت کی خاطر نبرد آزما ہوئے؟

(۳) اعزہ و خواتین کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور ایسا کیوں کیا ؟

(۴) میدانِ کربلا میں پہنچکر ۷۲ آدمیوں کے ساتھ آپ کے لئے تلوار اُٹھانا کہاں تک زیبا تھا ؟

(۵) (نعوذ باللہ) آپ نے اپنی ذات اور اہلبیت اطہار کو بے وجہ خطرہ میں ڈالا۔ اور آپ کا یہ فعل دانشمندانہ نہیں ہو سکتا ۔

(۶) کیا آپ کی یہ جنگ پرانے قبیلوں یعنی بنی ہاشم و بنی اُمیہ کی خاندانی رقابت کا نتیجہ تھی ؟

(۷) آپ نے اپنے رفقاءِ کار کی نصیحت کیوں نہیں مانی۔ اور مکہ سے کوفہ کیوں تشریف

Marfat.com

لے گئے ؟

(۸) آپ کا عزم کہ۔ بلا ایک سیاسی غلطی تھی ؟

(۹) آپ کا مقصدِ جنگ کیا تھا۔ اور کیوں نبرد آزما ہوئے ؟

ہم ان سب سوالات یا شبہات پر مذہبی عقیدت کے لحاظ سے بحث نہیں کریں گے بلکہ حتی الامکان سیاسی احوال و واقعات کے ماتحت ایک اجمالی تبصرہ سے ان سب کا جواب عرض کرینگے۔ تاکہ وقت کم صرف ہو۔ اور مقصد پورا ہو جائے۔ مُلَخَّصًا یوں سمجھئے۔ کہ تاریخ و درایت کے ماتحت حضرت امام کی سیاست دانی اور ہمت و عزم کا (بحیثیت انسان) مطالعہ مقصود ہے۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ شیعہ اور سُنّی حضرات دونوں اس تبصرہ کو عقل کی روشنی میں ملاحظہ فرمائینگے +

سُنئے آپ کے عزم و ارادہ کے حق بجانب ہونے میں کسی صحیح الدماغ انسان کو ذرہ بھر شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز حضرت معاویہؓ کا حضرت حسنؓ سے وہ معاہدہ غور طلب ہے۔ جس کے متعلق رسول اللہؐ نے پیشینگوئی فرمائی تھی۔ کہ "میرا یہ نواسہ دو پارٹیوں میں صلح کرائیگا"۔ چنانچہ آپ ہی کی صلح پسند ذات کے پاس حضرت معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ بھیج دیا۔ جس پر آپ نے شرائط صلح لکھ دیں۔ اور حضرت حسنؓ حقِ خلافت[1] سے اس شرط پر دست بردار ہو گئے۔ کہ امیر معاویہؓ کے بعد حضرت حسینؓ ہی کو خلیفہ بنایا جائے"۔ بایں اختلافِ روایات امیر معاویہؓ کے بعد حقِ خلافت حضرت حسینؓ کو پہنچے۔ مگر اس کی تکمیل حضرت معاویہؓ کے بعد نہ ہو سکی۔ بلکہ اس کے برخلاف انہیں کی زندگی میں سازشیں ہونے لگیں۔ سبب یہ تھا۔ کہ اس

---

[1] ص ۱۰۹ منتظر تاریخ اسلامی۔ از جناب محی الدین خیاط۔ مترجمہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب +

Marfat.com

کشمکش کے زمانہ میں مذہب نے سیاست کا پہلو اختیار کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ فرقہ بندی کی قدیم روح عربوں کی رگ و پے میں دوڑنے لگی تھی۔ حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت کے تلخ واقعات ذہنوں میں موجود تھے۔ چنانچہ مذہبی اصول کے خلاف حکومت کی طرف سے ایفاءِ وعدہ نہ ہوا۔ اس لئے کہ اس قسم کے وعدوں کو کسی حکومت نے آج تک پورا نہیں کیا بلکہ اسی سلسلہ میں حضرت امامؑ نے خصوصاً اس طرح انکار فرمایا۔ کہ :-

"یہ مسئلہ شخصی نہیں اجتماعی اور جمہوری ہے۔ تمام مسلمانوں کو مدعو کیجئے۔ میں بھی شریک ہونگا"۔

اس کے بعد جبریہ بیعت سے بچنے کے لئے مخالفینِ یزید مکہ کی طرف عازم ہوئے۔ جن میں ایک حضرتِ امامؑ بھی تھے۔ بہرنوع واقعات صاف بتاتے ہیں۔ کہ سانحۂ کربلا کا ایک خاص سبب وعدہ شکنی ضرور تھی۔ اور خلافت کے مسئلہ کو برطرف رکھکر اس قسم کے قابلِ اعتراض افعال کا انسداد آپ کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ یہاں بہت سے افراد کا خیال استحقاقِ خلافت کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔ اور وہ بھی بڑی شدّت کے ساتھ لیکن آپ کے بیانات اور عملی پالیسی کو دیکھ کر یہ خیال زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ آپ کی ذات والا صفات کا مستحق خلافت ہونا اور چیز ہے۔ اور حصولِ خلافت کی خاطر مجاہدہ اور چیز ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط نہ کرنا چاہیئے۔ پھر مختلف شہادتیں اس حقیقت کی مؤید ہیں۔ کہ آپ نے بیعتِ یزید سے انکار حقوقِ جمہوریت کی بنا پر کیا ہے۔ ذاتی مفاد کی بنا پر نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت معاویہؓ کی زندگی بھر لوگوں کے بھڑکانے اور بہکانے پر بھی آپ ادعاءِ خلافت سے منکر رہے۔ اس وقت بھی کوفیوں کے خطوط پر خطوط آئے۔ مگر آپ

Marfat.com

نے ایفاءِ وعدہ کے لحاظ سے ان کی طرف خیال بھی نہیں کیا۔ غالباً آپ کو یاد ہوگا۔ کہ مکہ سے روانگی کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو آپ نے یہی جواب دیا ہے۔ کہ "میری روانگی کا مقصد لڑائی نہیں ہے۔ ورنہ میں اپنے خاندان کو کیوں ساتھ لے جاتا" پھر لطف یہ ہے کہ آپ کی تحریروں اور تقریروں میں بھی ادعائے خلافت کہیں نہیں ملتا۔ استحقاقِ خلافت کا خیال پایا جاتا ہے اور وہ بھی صرف دو ایک جگہ۔ چنانچہ ہم آپ کی تسلّی کے لئے وہ تقریریں بھی نقل کرتے ہیں۔ تاکہ آپ ان دونوں میں امتیاز کر سکیں۔ سنئے اور حضرت امام کے آس پاس کی فضا اور واقعات کو نظر انداز نہ فرمایئے۔ آپ جس وقت مقام سراف میں اول اول داخل ہوتے ہیں۔ تو حُر ایک ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ آ ملتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :-

"دیکھو[1] میں از خود تمہارے پاس نہیں آیا۔ بلکہ تمہارے ہی خطوط اور قاصد میری طلبی کے لئے پہنچے تھے۔ اب اگر تم میرے ساتھ ہو۔ تو میں شہر میں چلوں ورنہ اجازت دو۔ کہ میں جس شہر سے آیا ہوں۔ واپس چلا جاؤں"۔

اس کے بعد عصر کے وقت آپ یہ الفاظ فرماتے ہیں :-

"اے[1] لوگو! تم اللہ سے ڈرو اور حق کو پہچانو۔ یہ اس کی خوشنودی کا باعث ہوگا ظالموں اور ناحق شناسوں سے جو مدعی امارت ہیں۔ ہم زیادہ مستحق خلافت ہیں۔ اور اگر یہ ناگوار ہو۔ اور تمہاری رائے ان خطوط کے بعد بھی بدل چکی ہو۔ تو ہم یقیناً واپس چلے جائینگے"۔

---

[1] ابن خلدون

Marfat.com

غرض آپ کی ان تقریروں میں جو معتبر مانی جاسکتی ہیں۔ صرف اسی قسم کے چند فقرے ملتے ہیں۔ جن سے استحقاقِ خلافت کا کچھ پہلو نکل سکتا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم ابھی عرض کر چکے ہیں ظالموں اور حق شناسوں کے لئے ادعائے امارت کا نہ پسند کرنا۔ یا ظالموں کے مقابلہ میں اپنی سیرت کے لحاظ سے برتری اور فضل کا اعتقاد اور چیز ہے۔ اور یہ دعویٰ اور چیز ہے۔ کہ ہماری جنگ ذاتی خلافت کے لئے ہے۔ غلطی سے عام عقیدہ لوگوں کے ذہن میں یہی پایا جاتا ہے۔ کہ آپ چھینی ہوئی خلافت کو حاصل کرنے کے لئے عازمِ کربلا ہوئے۔ لیکن آپ کے اعمال و افعال ارادے اور مشورے آخر وقت تک اس کے موئید نہیں ہیں۔ ہاں ظلم کے خلاف جہاد۔ اصلاحِ جمہور، تجدید اسلام و نظام جمہوری، یا ملخصاً استیصالِ یزید یقیناً صحیح ہو سکتا ہے۔ اور یہی مقصد قرینِ عقل اور شایانِ شان ہے۔ اگر آپ کا مقصد ذاتی خلافت و حکومت ہوتی۔ تو آپ واقعۂ کربلا سے پہلے مختلف مواقع پر قبولِ خلافت سے ہرگز انکار نہ فرماتے۔ شاید آپ کو علم نہ ہو۔ کہ جب آپ مکہ میں تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور دیگر اصحاب جو کوفہ سے آپ کو روک رہے تھے۔ آپ سے بیعت کے لئے تیار تھے مگر آپ نے انکار فرمایا۔ اسی طرح حضرت حسنؓ نے جو معاہدہ حضرت معاویہؓ سے کیا تھا۔ اس پر شدت کے ساتھ قائم رہے۔ ایسی صورت میں کسی شخص کا عصبیت کے ساتھ رائے قائم کرنا اور میدانِ کربلا کو حضرت امامؓ کی ایک ذاتی جنگ خیال کرنا یقیناً غلط ہے۔ ہاں بحیثیت اعتقاد یہ بالکل بجا ہے۔ کہ سیاسی و مذہبی حیثیت سے حضرت امامؓ کا خلیفہ بننا اور وہ بھی یزید کے مقابلہ میں ہرگز قابلِ شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ایسی گورنمنٹ کے خلاف مجاہدہ کو کوئی منصف مزاج موردِ الزام کہہ سکتا ہے +

Marfat.com

اس قدر تبصرہ سے آپ یقیناً یہ سمجھ گئے ہونگے۔ کہ معرکۂ کربلا کا ایک سببِ خاص وعدہ شکنی یا جبریہ بیعتِ یزید تھی۔ اب اس پر غور فرمایئے۔ کہ استیصال یزید جو حضرتِ امامؑ کا مشن تھا۔ آپ کی پاک سیرت کے لحاظ سے کس قدر ضروری اور واجب تھا۔ یہ استیصال یا یزید کا قلع و قمع سرتاسر مذہبی مسئلہ تھا۔ اور یہی باعث ہے۔ کہ ذاتی منفعت کے بجائے یہی خیال آپ کے اعمال و افعال کی روحِ رواں ہے۔ بے شبہ یزید بلا انتخابِ جمہور اسلامی زاویۂ نگاہ سے جائز یا ناجائز خلافت کا اہل ہی نہ تھا۔ اس لئے کہ اسلامی قانون شخصی حکومت کا مؤید نہیں۔ پھر یہ شخصی حکومت بھی کیسی اور کس قسم کے انسانوں کی۔ چنانچہ واقعۂ حرّہ کی مشہور لڑائی حضرت حسینؓ کی شہادت کے دو برس بعد ان کی انصاف پرستی اور انسانیت کا دوسرا ثبوت ہے۔ یہ جنگ بھی جبریہ بیعت کے منوانے کے لئے برپا کی گئی۔ اور اسی میں یزید کے حکم سے مدینہ مبارک میں قتل و غارت، عورتوں کی بے حرمتی، خونریزی و فساد مسلسل تین دن تک قطعاً جائز بنا دیا گیا تھا۔ بقول ابنِ خلدون اس شورش میں حاکم مدینہ عبداللہ بن حنظلہ مع سات سو مہاجرین و انصار اور دس ہزار دیگر اکابر اسلام کے شہید ہوئے تھے۔ خیر یہ تو واقعۂ معترضہ سمجھئے اور پھر اس مسئلہ پر غور فرمایئے۔ کہ اگر حضرت امام حسینؓ ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کی قیادت نہ کرتے تو اور کون کرتا۔ اگر سچ پوچھئے۔ تو اس وقت کے اکثر مسلمانوں نے مقتضائے ایمان و ضمیر کے خلاف سکوت اختیار کر کے یا حکومت کا ساتھ دے کر ایسی کمزوری دکھائی۔ جو ان کے دامنِ سیرت پر نہ مٹنے والا دھبہ ہے۔ خلاف ان کے حضرت امامؑ نے اسلامی رُوح کا علمبردار بنکر اسلام کی پیشانی کو کلنک کے ٹیکہ سے بچا لیا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ کہ ایک باضمیر۔ غیور۔ باایمان۔ خداپرست سچا

Marfat.com

مسلمان اور وہ بھی آغوشِ رسولؐ کا تربیت یافتہ کسی طرح حکومت کی توپوں اور بندوقوں کے خوف سے آزادیٔ ضمیر کا خون نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اسی بنا پر آپ کی پاکیزہ سیرت مذہبی یا آسمانی روشنی سے آخر دم تک منوّر رہی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آپ کے اعمال و افعال کی سرگرمیاں سیاسی و مذہبی اشتراک کی حامل تھیں! اور حقِ خلافت کی طرف سے سکوت و خودداری سیاسی تدبیر کا نتیجہ تھی۔ اس لئے کہ اس وقت کی دنیا حضرت حسینؓ کا ساتھ دینے کے بجائے مال و دولت اور حکومت و سلطنت کی لالچ میں یزیدی گورنمنٹ کا ساتھ دے رہی تھی! اور ایسے افراد کو ساتھ لینے کے لئے خیالِ حکومت سے علانیہ انکار یقیناً مذہبی مفاد کے خلاف تھا۔ یہی باعث تھا۔ کہ آپ نے اپنی تمام سرگرمیوں میں استحقاقِ خلافت کو ضرورتاً دو ایک بار ظاہر کیا۔ اور وہ بھی بحیثیت فضل و برتری۔ ورنہ اکثر مواقع پر خوددار رہے۔ ہاں اعلانِ جنگ و یزید کے استیصال کا خیال یا کوفہ سے مکاتبت اور اس کی جانب سیاسی حرکت سرتاسر مذہبی چیز تھی جس کے بغیر اسلام کا شیرازہ کبھی متحد نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس مہم کو جرأت کے ساتھ اپنے سر لیا بار بار اس حقیقت کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ اسی کتاب میں آپ کے بیانات اس پر شاہد ہیں اور اس طرح ضمیر فروشی و باضمیری یا حق و باطل میں ہمیشہ کے لئے ایک حدِ فاصل قائم کر دی۔ دیکھئے جب تک مسلم بن عقیلؓ کے قتل کی خبر آپ کو نہیں پہنچتی۔ آپ تقریباً عالمِ سکوت میں ہیں! اور جب علم ہوتا ہے۔ تو اور زیادہ سرگرم اور پختہ خیال بن جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس سے قبل تو استیصالِ یزید اور مسلمانوں کی حمایت سامنے تھی۔ اب اپنے بھائی کا قصاص بھی ان فرائض میں مزید ہو جاتا ہے۔ آپ اس وقت پست ہمت اور گوشہ نشین

Marfat.com

افراد کی طرح خائف نہیں ہوتے۔ بلکہ اور زیادہ جری ہو جاتے ہیں۔ اس موقع پر آپ کی قوتِ ضمیر و ایمان آج کل کے مفروضہ نائبین رسولؐ کی طرح گوشۂ عافیت نہیں ڈھونڈتی۔ بلکہ حق کے یہ چند پرستار یا قافلۂ اہلبیت اطہار اور تیزی کے ساتھ کوفہ کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ ہاں حضرت حسینؓ اس موقع پر بنظرِ احتیاط و مقتضائے عقل ایک مختصر سی کونسل منعقد فرماتے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں۔ "کہ تم واپس ہو جاؤ۔ اور مجھے کوفیوں کی دعوت کا جائزہ لینے دو"۔ مگر سب کا فیصلہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ایسی صورتِ حال میں ہم ہرگز واپس نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ سب اہلِ خاندان عزم و جوش کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے ہیں۔ اور قطعاً نہیں جھجکتے۔ اسی طرح جب حُر سے ملاقات ہوتی ہے۔ اور وہ آپ کو سمجھا بجھا کر بیعتِ یزید یا واپسی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ تو آپ کی طرف سے جواب یہی ملتا ہے۔ کہ :-

"جو قدم[1] ہم خدا کی راہ میں آگے بڑھ گئے۔ خدا نہ کرے۔ کہ وہ پیچھے ہٹیں"۔

غرض شہادتِ حضرت مسلمؓ کے بعد آپ نے جو پالیسی اختیار کی۔ اُس کے متعلق آپ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہونگے۔ کہ وہ بالکل بجا تھی اور ایک باضمیر انسان کے لئے بزدلی کیساتھ مراجعت، یا ناحق پرستی کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ کم از کم تمام مسلمان عموماً اور آپ خصوصاً ایسی گورنمنٹ کے خلاف علمِ حریت بلند کرنے کے حقدار تھے۔ اب یہ بھی سمجھ لیجئے۔ کہ بے سروسامانی اور حُر کے علاوہ اور دیگر افراد کے سمجھانے کے باوجود آپ اس قدر کیوں برضد نظر آتے ہیں۔ اس کے لئے آپ کو قرونِ اُولیٰ کی سیرت اور کَمْ مِّنْ فِئَةٍ[2]

---

[1] ص ۱۴۵ تاریخ شہادت [2] بعض چھوٹی جماعتیں خدا کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں۔

Marfat.com

قَلِیلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیرَۃً بِاذْنِ اللّٰہ کے اعتقاد اور بزرگانہ توکل پہ ایک نظر ڈالنا پڑیگی۔ کہاں ہم ایسے کمزور ایمان والے اور کہاں یہ بزرگانِ ملّت! ہمیں ان محترم ہستیوں کو اپنی طرح اسباب پرست نہ خیال کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان کی حرارتِ ایمانی اور روحانی بلندی اس قدر اعلیٰ و برتر ہوتی ہے۔ کہ ہمارے پست اور ماوی وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ بقول اقبالؒ ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نظر انداز نہ فرمایئے۔ کہ آپ میدانِ کربلا کو تمام اعزّہ کی معیت میں یونہی "عازم" نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ آپ کو امکانی کامیابی اور صداقت پر پورا اعتماد ہے۔ آپ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ موت اور زندگی کیا چیز ہے۔ پھر بھی اسلامی قانون اور عقلی احتیاط کو ہر ہر قدم پر ملحوظ رکھکر میدانِ کربلا کی طرف بڑھتے ہیں۔ آپ اس راز سے بھی ناآشنا نہیں۔ کہ بلا جد و جہد کوئی مقصد خواہ سیاسی ہو یا مذہبی پورا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے قدم پیچھے ہٹانا بالکل عقل کے خلاف خیال فرماتے ہیں۔ ان سب امور کے علاوہ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جس وقت تک کوئی سیاست دان یا کمانڈر صورتِ حال کا بچشم خود معاینہ نہ کرے کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ بالخصوص آپ نے جس اہم معرکہ حقانیت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اس کے لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے۔ کہ کوفہ اور کوفیوں کی وفاداری، ان کی ذہنیت، یزیدی گورنمنٹ کے قہرمانی اثرات، بلکہ خنیم کے تمام حرکات و سکنات کا شخصاً مطالعہ کیا جائے۔ آپ کے رفقاءِ کار میں اور کوئی ایسا تجربہ کار جہاندیدہ اور صورتِ حال کو سمجھنے والا نظر نہیں آتا۔ ڈاک

Marfat.com

اور ٹیلیفون کے ذرائع آج کل کی طرح میسّر نہیں ہیں۔ پھر آپ بتایئے۔ کہ جو شخص معرکہ حق پر پہنچنے کے لئے کربلا کی طرف عازم ہو۔ اس کو سوا اس کے اور کیا کرنا چاہیئے۔ کہ منزلِ مقصود کی طرف جرأت کے ساتھ قدم بڑھائے پیچھے نہ ہٹے۔ خدا پر بھروسہ کر کے دامن عقل و احتیاط کو ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ اور اپنی نقل و حرکت کو تدبیر کے ساتھ کامیاب بنائے۔ حضرت حسینؑ نے اس دور میں اجتماعی یا قومی مقصد کی تکمیل کے لئے جو کچھ کیا۔ عقلاً و نقلاً سرِ مو راہِ راست یا قانونِ اسلام سے برطرف نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں بزدلی و پست ہمتی کا زاویۂ نگاہ اور چیز ہے جس کی توقع کم از کم سبطِ نبی سے ناممکن ہے۔ میری رائے میں جو لوگ تحسین و آفرین کے بجائے اس معرکۂ کربلا کے متعلق شبہات و اعتراضات پیدا کرتے ہیں۔ وہ حقیقتاً اسلام کی عظمت اور رسول اللہ کے باوقار مشن کو سمجھ ہی نہیں سکے یا سمجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن کج بحثی سے کام لیتے ہیں۔ جو یقیناً قصورِ نگاہ سے مبرا نہیں ۔

دیکھئے بعض سیاست دان اصحاب خاندانِ رسالت کے ساتھ لے جانے پر بلحاظِ نفسیات تبصرہ فرماتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی اسی سلسلہ میں غور طلب ہے۔ اوّل تو یہ جاننے کی ضرورت ہے۔ کہ یہ اہلبیت اطہار خود ساتھ ہوئے۔ یا بلا رضا و رغبت ساتھ لئے گئے۔ بالفرض یہی مان لیجئے۔ کہ ان کو ساتھ لیا گیا۔ تو پھر خود بخود اس کا فیصلہ کر لیجئے۔ کہ مردوں کا ساتھ ہونا مقتضائے عقل تھا یا نہیں۔ رہیں خواتین ان کے متعلق حضرت حسینؑ کی پالیسی کا جائزہ لیجئے۔ شاید آپ کو معلوم ہو۔ کہ جنگ کا خیال نہ ہونے کی صورت میں ان کی معیت میں کوئی قباحت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر جنگ و جہاد کو متیقّن مان لیجئے۔ تو پھر رسول اللہ کے دَور کے مختلف نظائر پر

Marfat.com

نگاہ ڈالئے۔ ان معدودے چند مجاہدین کے لئے عورتوں کی خدمت ایسی ہی ضروری تھی۔ جیسا کہ بعض لڑائیوں میں رسولؐ اللہ کی ازواجِ اطہار نے زخمیوں کو پانی پلانے اور دیگر امور میں حصّہ لیا تھا اس کے علاوہ یہ بھی نہ بھولئے۔ کہ قوم عرب کا دستور یہی تھا۔ کہ عورتوں کو میدانِ جنگ میں لے جایا کرتے تھے۔ تاکہ یہ صنفِ نازک بھی ہماری خواتین کی طرح اسلامی دنیا کا ایک جزو معطل نہ ثابت ہو۔ پھر خواتین کی رفاقت کا مقصدِ خاص یہ بھی تھا۔ کہ مسلمان مجاہدین کا جوشِ حمایت کسی طرح کم نہ ہو سکے۔ اور مدافعتِ حق کے لئے ایک بہترین سبیل پیدا ہو۔ غرض ان وجوہات کی بنا پر حضرت حسینؓ نے اگر خاندان اہلبیت کو ساتھ لیا۔ تو اس میں اعتراض کی گنجائش کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اصولِ نفسیات کے لحاظ سے آپ کا یہ فعل آج تک موثر ہے اور ہر انسان کے دل پر بلا امتیازِ مسلم و غیر مسلم بے حد اثر انداز ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی نظر انداز نہ فرمایئے۔ کہ آپ اس میدانِ جہاد میں صرف ۷۲ آدمیوں کے ساتھ مارچ نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ آپ کے ساتھ ہر منزل پر کچھ نہ کچھ مجاہد ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ جو کوفہ پہنچتے پہنچتے دشواریوں اور مصیبتوں کے ڈر سے آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ بہر نوع مکہ سے روانگی کے وقت خواتین کو چھوڑ دینے کے لئے کوئی معقول وجوہات نہیں پائی جاتیں۔ خود کوفہ سے ۱۲۰۰ اطلاعات اس قسم کی وصول ہوئی ہیں۔ کہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ جن کو سرتاسر غلط سمجھ لینا قبل از وقت کسی طرح ممکن نہیں چنانچہ قبیلہ اسد کا آملنا اور ان کے آدمیوں کا شہید ہونا تاریخی حیثیت سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ پھر خدائی مدد کی بھی امیدیں ہیں جو لا تقنطوا[1] من رحمتِ اللہ کے ماتحت کسی اسلامی دماغ سے

---

[1] اللہ کی رحمت سے کبھی مت مایوس ہو +

Marfat.com

مفقود نہیں ہو سکتیں۔ ان کے علاوہ دشمن کے منصوبوں کا صحیح علم نہیں۔ اور اس خیال کا تو وہم و گمان بھی نہیں۔ کہ رسول اللہ کے نام لیوا مسلمان عرب حکومت پرستی کی طمع میں ایسے ڈوب جائیں گے۔ کہ سبطِ نبیؐ اور اہلبیت رسول کو راستہ ہی میں گھیر کر اس بُرے طریقہ سے مصیبتوں اور مظالم کا نشانہ بنایا جائیگا ۔

پھر یہیں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ خواتین محترم جن کی عصمت و ناموس دنیائے اسلام کی عصمت و ناموس تھی۔ اگر چھوڑی جاتیں تو کس کی قیادت میں۔ واقعات بتا رہے تھے۔ جو کربلا میں ہوا۔ وہی مکہ مکرمہ میں بھی یقیناً وقوع پذیر ہوتا۔ چنانچہ حضرت حسینؓ کی ایک تقریر کا یہ فقرہ کہ "میں بیت اللہ کو ناپاکی سے بچاتا ہوں۔ تاکہ خانہ خدا میں خونریزی نہ ہو"۔ اس کی بیّن دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ مکہ ان معصومین کے لئے کوئی محفوظ جگہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے کہ اسی یزید ہی کے دور میں کعبہ پر گولہ باری اور مدینہ کی لوٹ مار وقوع میں آئی ہے۔ پھر اس وقت عبداللہ بن زبیرؓ کے خوابِ سلطنت کا آغاز بھی نہ تھا۔ ہر سمت ایک انتشاری کیفیت تھی۔ اور کوفہ کی سیاسی حالت کا مطالعہ مقصود بنا کر (مع خواتین اطہار) سفر کرنا یقیناً مقتضائے عقل تھا ۔

لیکن اگر کوئی شخص خواہ مخواہ حضرت حسینؓ ہی کو ان واقعاتِ کربلا کا ذمہ دار بنانا چاہتا ہے۔ تو اس کو یہ بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ ہر نازک موقع پر حضرتِ امامؑ نے اپنے تمام رفقاء کو واپسی کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ جو لوگ منزل بمنزل ساتھ ہوتے گئے ہیں۔ آپ کے ان اعلانوں پر وقتاً فوقتاً کھسکتے رہے ہیں۔ دیکھئے جب حضرت مسلم بن عقیلؓ کی خبرِ شہادت آپ کو ملی

Marfat.com

تو آپ نے ایک چھوٹی سی کونسل منعقد فرمائی۔ اور اپنے تمام ساتھیوں سے یہ اجازت مانگی ہے
کہ "دیکھو[1] یا تو تم مجھے اجازت دو۔ کہ میں تنِ تنہا جذبۂ ایثار سے مالا مال ہوں۔
یا پھر میں تم کو اجازت دیتا ہوں۔ کہ تم میں سے جو شخص جانا چاہتا ہے
وہ جا سکتا ہے" ٭

ہاں اسی قسم کی ایک مجلس مشاورت میں آپ کے سمجھانے بجھانے پر حضرت علی اکبرؓ نے یہی سوال کیا تھا۔ "کہ آپ ہم سب سے واپسی کے متعلق فرماتے ہیں۔ لیکن ہمارے فیصلہ سے قبل یہ فرمائیے۔ کہ "ہم حق پہ ہیں یا نہیں۔ اگر حق پر ہیں تو منزلِ مقصود پر بلا پہنچے واپسی کے کیا معنی"۔ چنانچہ مجبوراً آپ کو سکوت اختیار کرنا پڑا ٭

اسی طرح کا آپ نے ایک اور اعلان قریہ قسطفافہ میں فرمایا تھا۔ کہ "موجودہ سیاسی حالات کی بنا پر جو شخص چاہے واپس چلا جائے۔ چنانچہ بستان الشہداء کا بیان ہے کہ آپ کے سمجھانے پر بعض خواتین سوار بھی ہو گئی تھیں۔ مگر قہرمانی حکومت کے اثرات اس قدر سخت تھے کہ فرشتہائے عذاب کی طرح اس معصوم قافلہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور کسی کو اجازت نہیں دی گئی کہ میدانِ محاصرہ سے باہر جا سکے ٭

خلاصۂ کلام یہ کہ یہی وہ مشہور و معروف واقعات ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے عقلاً اور نقلاً کسی حیثیت سے آپ کی ذات پر مصائب کی ذمہ داری نہیں آتی۔ اور یہ اعتراض خود بخود دور ہو جاتا ہے۔ کہ آپ نے اہلبیت اطہار کو بے وجہ خطرہ میں ڈالا۔ یا آپ کا عزم کوفہ عقل و احتیاط کے خلاف تھا۔ بلکہ اگر سچ پوچھئے۔ تو وجوہاتِ بالا سے آپ کے خاندانِ اطہر اور خواتینِ محترم

[1] بستان الشہدا ٭

Marfat.com

کی ہجرت صرف حق بجانب ہی نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ بحیثیت انسانِ کامل آپ کا عزم کوفہ سے باز رہنا یا نعوذ باللہ ضمیر فروشی و یزید پرستی کا مرتکب ہونا بجائے خود ایک جرم ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن مشیت نے آپ کے دامن کو ہمیشہ کے لئے اس دھبہ سے بچایا اور خوب بچایا ۔

اس موقع پر آپ کی وہ تقریریں بھی سننے کے قابل ہیں۔ جو آپ نے اسی موضوع پر فرمائیں۔ آپ مدینہ پہنچ کر قبر نبوی صلعم سے رخصت ہوتے ہیں۔ تو آپ کی زبانِ مبارک پر مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :۔

"نانا جانؐ آپ کے حکم کی تعمیل میں بیت اللہ کو ناپاکی سے بچاتا ہوں تاکہ خانۂ خدا میں خونریزی نہ ہو۔ دعا کیجئے۔ کہ میں صراطِ مستقیم پر قائم رہوں۔ اور ایسا نہ ہو۔ کہ عزیزوں کی محبت اور بچوں کی مامتا میری صداقت میں حائل ہو جائے۔ میرا عزم ہے۔ کہ وقت آنے پر میں اپنے کلیجہ کے ٹکڑے خدا کی راہ میں قربان کر دوں۔ اور تیوری پر بل نہ لاؤں"[1] ۔

اسی طرح شبِ شہادت میں آپ نے جو دعا فرمائی ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمایئے۔ اس کا حرف حرف جذبۂ ایمانی اور پاک ضمیری و صداقت کا ایک روشن آئینہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"خدایا[2] نتیجہ مجھ کو معلوم ہے مگر میرے اصرار پر بھی میرے اعزہ و احبا میرا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ میرے بھائی بہن سب تجھ پر قربان ہوں۔ حاکم الحاکمین

[1] ص۱۴۲ تاریخ شہادت ۔ [2] تاریخ شہادت ص۱۵۲ ۔

میری ناچیز قربانی قبول ہو۔ میری التجا ہے۔ کہ بچوں کی محبت میرے مقصد میں خلل انداز نہ ہو۔ میرا حوصلہ بلند کر۔ مجھے توفیق دے کہ میں دشمن کے سامنے اپنا گلا کٹاؤں۔ عزیزوں کے جنازے اُٹھاؤں۔ مگر زبان پر صبر و شکر کے سوا اور کچھ نہ ہو"۔

بہر نوع ان تقریروں اور متذکرہ بالا واقعات سے آپ اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں۔ کہ جو وہم اور شکوک حضرت حسینؑ کے متعلق خواہ مخواہ قائم کئے جاتے ہیں۔ ان کو آپ کی ذات والاصفات سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ آپ استیصالِ یزید کی تدابیر کے متعلق اہلبیتؑ و خواتین کو ساتھ لے جانے کے لئے عقلاً مجبور تھے۔ اور استیصالِ دشمن کے بارے میں آپ نے جن تدابیر پر عمل درآمد کیا۔ اس سے بہتر تدبیر اس دور میں اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ بلحاظ نفسیات تمام مورخین کا یہ متفقہ فیصلہ بھی ہرگز نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ مقصدِ حریت کی تکمیل میں اہلبیت اطہار کا ساتھ لینا اس قدر مفید ہوا۔ کہ میدانِ کربلا کی شکست سینکڑوں فتوحات کے برابر بن گئی۔ چنانچہ مبصرین کا خیال ہے۔ کہ جب قافلہ مکہ سے کوفہ چلا۔ تو بہت سے مسلمان اس اجتماع کی بدولت منزل بمنزل ساتھ ہوتے گئے۔ اور جب میدانِ کربلا سے عمر بن سعد کی سرداری میں یہ اسیرانِ کربلا یزید کے پاس بھیجے گئے۔ تو تمام قبائل بلکہ عرب کی دنیائے اسلام میں اس جابرانہ گورنمنٹ کے خلاف بغاوت اور نفرت کی ایک سیاسی لہر دوڑ گئی۔ جس نے بنی اُمیہ کے قصرِ امارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

بے شبہ حضرت حسینؑ تمام دُنیا کو ایثار و حق پرستی کا سبق دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ

Marfat.com

اسی شہادت کے متعلق بعض صوفیہ کا یہ خیال ہے۔ کہ مشیت نے رسول اللہؐ کو اس فضیلت سے بظاہر محروم رکھا۔ اِس لئے اس کی تکمیل آپ کی ذاتِ والاصفات سے ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں یُوں سمجھئے۔ کہ جو ایثار و قربانی کا نمونہ دنیائے اسلام و بنی نوع انسان کے لئے عملاً میدانِ شہادت میں ضروری تھا۔ وہ حضرت حسینؓ کے ایثار سے مکمل ہوا۔ آپ نے اس دُنیا کے سالکوں کے لئے ایک آخری نظیر قائم کر کے قصرِ ولایت و نبوّت کو چمکا دیا۔ اسی بنا پر آسمانی امداد نے بھی اس جانگداز سانحہ پر سکوت اختیار کیا۔ ورنہ کیا کچھ نہ ہو سکتا تھا! اور تھوڑے دنوں بعد انہیں واقعات کے سلسلہ میں کیا کچھ نہ ہوا *

اب رہا یہ سوال کہ جب مخالفینِ اسلام کی قہرمانی اور محاصرہ کی یہ شورا شوری تھی۔ کہ آب و دانہ بند۔ نقل و حرکت مسدود۔ نالہ و فریاد ممنوع۔ تو ۷۲ آدمیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہونا مناسب تھا یا نہیں۔ یا بقولِ اعداء و سیاستِ حاضرہ یہ عزمِ جہاد ایک قسم کی خودکشی تھی۔ جو کسی طرح قابلِ معافی نہیں۔ اس کے متعلق سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ نبرد آزما ہونے کا خیال آپ کے ذہن میں کس وقت پیدا ہوا اور کیونکر؟

واقعات شاہد ہیں۔ کہ جب آپ مکّہ سے مدینہ اور مدینہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے۔ تو بلا مطالعۂ احوال آپ کے دل و دماغ میں جنگ کا خیال نہ تھا جس کے متعلق آپ کے مختلف بیانات نقل کئے جا چکے ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئندہ بڑھ کر یا قوت حاصل ہونے پر آپ اسلامی مفاد کے لحاظ سے سب کچھ قربان کر سکتے تھے۔ اور شمشیر و تدبیر جو کارگر ہوتی۔ اُسی کو استعمال کرتے۔ لیکن کربلا میں پہنچنے اور دشمنوں کے حملہ سے قبل آپ کی

Marfat.com

ذات نے جنگ و خونریزی کو اپنا مطمح نگاہ ہرگز نہیں بنایا۔ آپ کی جد و جہد آخر وقت تک فاعی رہی۔ اور اس کا زندہ ثبوت آپ کی وہ شرطیں ہیں۔ جو آج بھی مسلّمات میں ہیں۔ ہر شخص کو جاننا چاہیئے۔ کہ جب آپ کا محاصرہ ہُوا ہے۔ تو آپ نے یہی شرطیں پیش کی تھیں۔ کہ

۱۔ یا تو مجھ کو مدینہ واپس جانے دو یا۔

۲۔ مجھے راستہ دو۔ یا۔

۳۔ دمشق جا کر خود یزید سے ملنے دو۔

مگر حکومت کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ اور عمر بن سعد ایسی صلح آمیز گفتگو یا شرائط کو کس طرح منظور کر لیتا۔ ان کے جواب ہیں۔ ابنِ زیاد یا گورنر کوفہ کے یہاں سے شرائطِ صلح کے بجائے حُرؑ کو یہ حکم پہنچا۔ کہ

"پس و پیش کی صورت میں اپنے آپ کو معزول سمجھو۔ تم کو حضرت حسینؑ سے صلح کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ یا تو حضرت حسینؑ سے لڑو یا تمہارے بجائے شمر قائم مقام ہو گا"۔

"پھر اسی سلسلہ میں دشمنوں کی یہ غداری بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ لڑائی کے لئے کوئی چیلنج نہیں دیا جاتا۔ بلکہ بھوکا اور پیاسا مارنا ہی مقصود ہے۔ چنانچہ اوّل سے آخر تک یہی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ جو کرب و اذیت کو بڑھائیں۔ سنئے خود حضرت حسینؑ کا بیان سنئے۔ آپ عمر بن سعد سے لڑائی کے وقت فرماتے ہیں :۔

"یہ لڑائی نہیں ظلم ہے۔ لڑائی برابر کی فوجوں میں ہُوا کرتی ہے۔ ہم دو سو اور تم بائیس ہزار اور وہ بھی جنگ کا صبح پر التوا۔ یہ ترکیب صرف اس لئے

Marfat.com

ہے۔ کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہم سب مضمحل ہو جائیں" +

بہر نوع یہ سب اسباب وجوہات اِتمامِ حجّت کے مختلف نظائر و دلائل ہیں۔ جو نہ صرف مدافعتی جنگ کو عقلاً و نقلاً حضرت حسینؓ کے لئے مستحسن بناتے ہیں۔ بلکہ ایسی صورتوں میں جاں نثاری کے علاوہ اور کوئی سبیل نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اخلاقی لحاظ سے بھی کم ہمتی اور بزدلی کی زندگی کوئی زندگی نہیں +

اب اسی سلسلۂ دفاع میں یا صبر و رضا کے متعلق حضرت حسینؓ کی تقریر اور عمر بن سعد کی گفتگو سنئے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا۔ کہ واقعۂ کربلا کی ذمّہ داری اور بہیمانہ افعال کا ارتکاب سر تا سر حکومت یزید کے سر تھا اور ہے۔ حضرت امامؑ نے وقتی حالات اور اسلامی منزل کا معائنہ کرنے کے باوجود لڑائی کا اس وقت تک عزم نہیں کیا۔ جب تک مذہبی حمیّت اور ملّی عزّت و وقار کا سوال نہیں آیا۔ ہاں جب آپ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ موذی قوم یوں بھی لڑائی پر مجبور کر دے گی۔ یا بلا خونریزی معصوموں کی بے بسی اور بے کسی کا خیال نہ کرے گی۔ تو اس وقت بے شُبہ آپ نے میدانِ کربلا میں اپنی شجاعت و شرافت کے وہ جوہر دکھائے جن کا علَم اظہار خاندانِ نبوّت کو بٹہ لگاتا تھا۔ سنئے جب آپ یزیدی افسروں کے مظالم سے اُکتا جاتے ہیں۔ تو مخالف سردار سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں :-

"اگر تم ملک کے لئے لڑتے ہو۔ تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ تاکہ میں حبشہ و روم چلا جاؤں۔ مگر اہل و عیال کو جو تشنگی سے جان بلب ہیں۔ پانی تو دو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وَرَضِیْنَا بِقَضَاءِ اللّٰہِ یعنی تمام حکم خدا کے لئے

Marfat.com

ہیں۔ اور ہم اس کی مرضی پر راضی ہیں"۔

اس کے بعد امیر شام یعنی عمر بن سعد آپ سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے۔

امیرِ شام :۔ اے پسرِ علیؑ تو کب تک خصومت کریگا۔ آخر ایک آدمی کتنے آدمیوں کو مارے گا۔

حضرت حسینؑ :۔ اے شامی! میں تمہاری جنگ کے واسطے نکل کر آیا ہوں یا تم مجھ سے جنگ کرتے ہو، تمہارا راستہ میں نے بند کیا ہے یا تم نے میرا راستہ بند کیا ہے۔ سن میرے برادر و فرزند تو نے شہید کئے یا میں نے؟

غرض مذکورہ بالا اشارات سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا۔ کہ ابھی حضرت حسینؑ صرف باطل کو مٹانے اور حق کی اشاعت کے لئے تدبیریں سوچ ہی رہے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ نے کوفہ کی طرف عملی قدم اٹھایا تھا۔ کہ امرائے یزید نے آپ کو سربکف ہونے کے لئے مجبور کر دیا۔ ایسی صورت میں یہ فرضی خیال خود بخود غلط ہو جاتا ہے۔ کہ آپ کوفہ یا میدانِ کربلا میں محض جنگ کی خاطر تشریف لے گئے یا ملک و دولت اور خلافت کا خیال آپ کے دل و دماغ میں گردش لگا رہا تھا۔

اب یہ سمجھئے کہ آپ میدانِ جنگ میں اپنی قوتِ ضمیر و ایمان کا کس وقت مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور بہادری و ایثار کی موت کو ایک فاسق و فاجر کی بیعت پر عملاً کیونکر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کی مجبوریاں اور صورتِ حال کی نزاکت خود آپ کی پوزیشن اور صفائی کی بہترین

Marfat.com

دلیل ہے۔ لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ[1] یا (نعوذ باللہ) خودکشی کے ذمہ وار آپ کسی طرح نہیں ہو سکتے!

خط و کتابت و گفتگو بلکہ ہر گونہ رسل و رسائل کا مرحلہ طے ہو چکا ہے۔ دشمن سے صلح کی امید بالکل منقطع ہو چکی ہے۔ یزید کا لشکر جرار ان چند معصومین کو مٹانے کے لئے تلا ہوا ہے۔ حضرت امامؑ کا سمجھانا قطعاً بے سود ثابت ہوتا ہے۔ خود مختلف شرطیں پیش کرتے ہیں۔ انسانیت و رحمدلی کے نام پر حضرت علیؑ اصغر کے لئے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور عمرو بن سعد سے فرماتے ہیں۔ کہ

"اے عمرو بن سعد ماتا کے درد سے مجبور ہو کر اور تجھ کو صاحب اولاد سمجھ کر شہر بانو کے اس بچہ کو تیرے پاس بھیجا ہے۔ دیکھ پیاس سے اُکھڑی ہوئی سانس کو دیکھ اور اصغر کو چند قطرے پانی کے پلا دے۔ میرے نانا کی اُمت تیرے اس فعل کو نیکی سے یاد کرے گی۔ انسان بن اور انسانیت کو بٹہ نہ لگا"۔

مگر اس اپیل کا جواب کسی شقی کے تیر سے ملتا ہے۔ اور حضرت اصغر تڑپ کر شہید ہو جاتے ہیں۔ اور آپ ان کی لاش کو خود واپس لاتے ہیں۔

اسی قسم کے اور دوسرے طریقے ہیں۔ جو اتمام حجت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن جب شکر و صبر کی انتہائی منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ انسانی رضا و تسلیم کی آخری اسٹیج آجاتی ہے تو آپ شمشیر آزما ہوتے ہیں۔ اور اس نزاکت حال و پریشانی کے عالم میں بھی اپنے آبائی عزم و استقلال اور ایثار و قربانی خدا پرستی و توکل کو نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنی پاکیزہ زندگی کو تمام دنیائے اسلام کے لئے ایک معرکۂ عبرت بنانا چاہتے ہیں۔ بقول ابی مخنف صاحب مقتل، جس وقت

---

[1] اپنے آپ کو ہلاکی میں مت ڈالو۔

Marfat.com

آپ شمشیر بکف ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ اشعار ہیں [1]

أَنَا ابْنُ عَلِيِّ الطُّهْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ | كَفَانِي بِهٰذَا مَفْخَرٌ حِينَ أَفْخَرُ

ہم ابن علیؓ ہیں اور آلِ ہاشم ہمارا خاندان ہے | اگر میں اس فضیلت پر فخر کروں تو میرے لئے یہی کافی ہے

فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ أُمِّي وَ أَبِي | وَ عَمِّي هُوَ الطَّيَّارُ فِي الْخُلْدِ جَعْفَرٌ

حضرت فاطمۃ الزہراؓ میری والدہ ہیں اور میرے والد | اور چچا حضرت جعفر طیارؓ ہیں

بِنَا بَيَّنَ اللّٰهُ الْهُدَىٰ عَنْ ضَلَالَةٍ | وَ نَحْنُ سِرَاجُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ نَزْهَرُ

ہمارے ہی ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت و گمراہی کو جدا کر کے دکھایا۔ ہم زمین پر شمع الٰہی ہو کر چمکے۔

وَ نَحْنُ وُلَاةُ الْحَوْضِ نَسْقِي مُحِبَّنَا | بِكَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ لَيْسَ يُنْكِرُ

ہم حوض کوثر کے والی ہیں اور ان لوگوں کو جو ہمارے منکر نہیں ہیں۔ رسول اللہ کے جام سے سیراب کریں گے

وَ شِيْعَتُنَا فِي الْخَلْقِ أَكْرَمُ شِيْعَةٍ | وَ بَاغِضُنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَخْسَرُ

ہماری جماعت مخلوق میں بہترین جماعت ہے۔ اور ہم سے نفرت کرنے والے قیامت کے دن خسارے میں رہیں گے

ہاں! اسی جانگسل مناظر میں عمرو بن سعد آپ سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے:۔

"دیکھو حسینؓ! اگرچہ خلیفہ یزید اور ابن زیاد کا حکم یہی ہے کہ میں آپ کو زندہ نہ چھوڑوں۔ لیکن اگر اب بھی آپ بیعت پر آمادہ ہو جائیں۔ تو میں اپنے حکم سے آپ کو زندہ چھوڑ دونگا"۔

اس پر حضرت حسینؓ تن تنہا جرأت و بسالت کے ساتھ جواب دیتے ہیں:۔

[1] ص ۲۰۳ سیدہ کا لال۔

Marfat.com

"عمرو بن سعد[1]! ابنِ زیاد اور یزید کے احکام تو نے پڑھ لئے۔ اور ان کی تعمیل میں حسینؑ ابن علیؑ کا بچہ شہید ہو گیا۔ سن بیعت یزید کی صدا تیرے اور شیطان کے منہ سے قدم قدم پر نکل رہی تھی۔ اگر میں ڈگمگا جاتا۔ اور خاندان کے تعلق اور بچّوں کی محبت مجھ کو پھسلا لیتی۔ تو زندگی کے عیش مجھ سے دور نہ تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے جس نے مجھے صبر کی توفیق بخشی۔ عمرو بن سعد! میں اگر چاہتا۔ اور بیعتِ یزید منظور کر لیتا۔ تو تجھ جیسے نہ معلوم کتنے آدمی میرے قدموں پر گرتے اور خود یزید میرے پاؤں چومتا۔ مگر ضرورت تھی۔ کہ میں مسلمانوں کے واسطے صبر و شکر استقامت و ایثار، استقلال و خودداری کی ایسی بنیاد رکھ دوں۔ جس پر آنے والے مسلمان بہ آسانی عمارتیں تیار کر سکیں میرا عقیدہ ہے۔ کہ عالم الغیب صرف خدائے لاشریک ہے۔ مگر تجھے بتائے دیتا ہوں۔ کہ تیری توقعات پوری نہ ہوں گی۔ اور دنیا بہت جلد تجھ کو اپنا کرشمہ دکھائیگی۔ میں نے قبل از جنگ بھی تجھ سے کہا تھا۔ کہ بیعتِ یزید ناممکن ہے۔ اور میں دُعا کرتا ہوں۔ کہ خدا مجھ کو اس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے۔ کہ میں چند روزہ زندگی کے واسطے ایک فاسق و فاجر کی بیعت کا دھبہ بنو فاطمہؑ کے دامن پر لگاؤں۔ عمرو بن سعد! یقین کر مجھ کو تیری حالت پر رحم آتا ہے۔ تو اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر چکا۔ تیرے اعمال سے شیطان بھی اس وقت پناہ مانگ رہا ہے خدا سے ڈر موت کو برحق سمجھ۔ سُن یہ ہماری شان اور مروّت جوہر ہے۔ کہ سخت سے سخت دشمن کو بھی تباہی سے بچا کر اپنا کرم دکھاتے ہیں۔ تو جن اسباب کو اذیت سمجھ رہا ہے۔ وہ میرے واسطے مسرت سے بدل گئے۔ ہزار شکر ہے، اس قادر ذوالجلال کا جس نے مجھے ضمیر عطا کیا۔ میں

[1] تاریخ شہادت از راشد الخیری (ملخصاً)

تجھ کو بتاتا ہوں۔ کہ تمام دوران میں اگر مجھ کو کوئی کھٹکا تھا۔ تو یہی کہ کہیں بچوں کی محبت میرے ضمیر پر غالب نہ آجائے۔ بحمداللہ کہ جھوٹی توقعات اور فانی ضروریات حقیقت سے مغلوب ہوگئیں ہیں خدا کے حضور میں سرخرو جا رہا ہوں۔ بے شبہ میں خوش نصیب ہوں۔ اگر میری قربانیاں خدائے برتر کے دربار میں مقبول ہوں"+

بہر نوع عمرو بن سعد اس کا جواب یہی دیتا ہے۔ کہ اب میں فضول گفتگو سننے کے لئے تیار نہیں۔ میری فوج کا ہر بہادر حملہ کی اجازت مانگ رہا ہے۔ اور یہ میرا احسان ہے۔ کہ میں خاموش ہوں۔ چنانچہ عمرو بن سعد انس بن سنان کو حکم دیتا ہے۔ کہ حسینؑ بن علیؑ کا سر قلم کرے اور اس کے بڑھنے پر حضرت امامؑ ایک برچھی سے اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح آپ شخصاً سرگرم قتال ہوتے ہیں +

ان واقعات اور اس نازک منزل حیات پر پہنچنے کے بعد ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرت حسینؑ تو حضرت حسینؑ وہ کونسا حساس اور باحمیت آدمی ہوگا۔ جو شمشیر بکف ہونا گوارا نہ کرے گا۔ اور اگر نہ ہوگا۔ تو کس قسم کا انسان مانا جائیگا۔ اس میں ذرہ بھر شبہ نہیں کہ حضرت امامؑ نے ہر موقع پر اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا۔ اور اس احتیاط و خوبی کے ساتھ کہ توازن عقل اور سیاسی و مذہبی مصلحتوں کے لحاظ سے اپنے اوپر کوئی دھبہ نہ آنے دیا۔ درحقیقت انسانی زندگی کی یہی وہ خطرناک اور نازک ترین منزلیں ہیں۔ جن میں بڑے بڑے شجاعوں اور سورماؤں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ انہیں مواقع پر اکثر افراد یا تو مجنوں اور پاگل بنجاتے ہیں۔ یا اپنی شقاوت قلب سے انسانی و اخلاقی ذمہ داریوں کو قطعاً بھلا دیتے ہیں۔ حضرت حسینؑ علیہ السلام نے افراط و

Marfat.com

تفریط دونوں سے بچکر جس خوبی و پاکیزگی سے اس معرکہ کو سر کیا ہے۔ اس کو نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ تمام دُنیا کے اہلِ بصیرت ہمیشہ کے لئے ایک درسِ حریت اور معجزہ عمل سمجھیں گے۔ یہ آپ ہی کی ذات گرامی تھی۔ جو عین جنگ کے وقت کسی جابرانہ قوت سے نہ دبی۔ اور انکار بیعت کے سلسلہ میں تمام انسانوں کے لئے ایک شاہراہ زندگی بنا گئی۔ آپ کو غالباً اس حقیقت کا علم ہوگا۔ کہ حسینؑ علیہ السلام کی یہ تمام سرگرمی و جانفشانی سر تا سر مدافعانہ تھی۔ چنانچہ عمر بن سعد نے ان پرستارانِ حق کے خلاف سب سے پہلے تیر چلایا۔ اور لوگوں سے پکار کر کہا۔ کہ "اے لوگو گواہی دینا پہلا تیر میرا ہے"۔

غرض ان واقعات کے خلاف جو اُوپر بتائے گئے ہیں۔ بے جا اعتراضات و شبہات کو دل میں جگہ دینا سر تا سر نادانی و جہالت ہے۔

اسی طرح قبیلہ بندی اور پچھلی خاندانی رقابت کی بنا پر میدانِ کربلا کا سنگِ بنیاد قائم کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اہلبیتِ اطہار کا مشن شخصی نہیں ہو سکتا۔ وہ ہماری آپ کی ذہنیت رکھنے والے نہیں تھے۔ بلکہ جو کچھ کرنا چاہتے تھے۔ تمام دنیائے اسلام کے مفاد کے لئے۔ اور ایسی صورت میں خاندان۔ جماعت۔ گروہ۔ قبیلہ اور فرقہ کا سوال ہی بے کار ہے۔ دور متعلقہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کا خیال اتنا ضروری نہیں تھا۔ جتنا استیصال یزید اور قیامِ جمہوریت کا۔ اسی لئے حضرت حسینؑ نے کبھی اور کسی موقع پر ایامِ جہالت کی رقابتوں کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ نفسا نفسی اور پارٹی بندی تو اسلام یا محمدؐ رسول اللہ صلعم کی تعلیم و تبلیغ نے بہت زیادہ مٹا دی تھی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ دوسری پارٹی کے دماغ نے اپنی تمام سرگرمیوں کی بنیادیں اسی خیال پر قائم کی ہوں اور وہ رسولؐ اللہ کی تعلیم کو بھلا چکے ہوں۔ بہر نوع اسی قسم کے سطحی خیالات سے حضرت حسینؑ

Marfat.com

میری ناچیز قربانی قبول ہو۔ میری التجا ہے۔ کہ بچوں کی محبت میرے مقصد میں خلل انداز نہ ہو۔ میرا حوصلہ بلند کر۔ مجھے توفیق دے کہ میں دشمن کے سامنے اپنا گلا کٹاؤں۔ عزیزوں کے جنازے اُٹھاؤں۔ مگر زبان پر صبر و شکر کے سوا اور کچھ نہ ہو"۔

بہرنوع ان تقریروں اور متذکرہ بالا واقعات سے آپ اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہیں۔ کہ جو وہم اور شکوک حضرت حسینؓ کے متعلق خواہ مخواہ قائم کئے جاتے ہیں۔ ان کو آپ کی ذات والا صفات سے کوئی واسطہ نہیں ہو سکتا۔ آپ استیصالِ یزید کی تدابیر کے متعلق اہلبیت و خواتین کو ساتھ لے جانے کے لئے عقلاً مجبور تھے۔ اور استیصالِ دشمن کے بارے میں آپ نے جن تدابیر پر عمل درآمد کیا۔ اس سے بہتر تدبیر اس دَور میں اور کوئی نہ ہو سکتی تھی۔ بلحاظ نفسیات تمام مؤرخین کا یہ متفقہ فیصلہ بھی ہرگز نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ مقصدِ حریت کی تکمیل میں اہلبیت اطہار کا ساتھ لینا اس قدر مفید ہوا۔ کہ میدانِ کربلا کی شکست سینکڑوں فتوحات کے برابر بن گئی۔ چنانچہ مبصرین کا خیال ہے۔ کہ جب قافلہ مکہ سے کوفہ چلا۔ تو بہت سے مسلمان اس اجتماع کی بدولت منزل بمنزل ساتھ ہوتے گئے۔ اور جب میدانِ کربلا سے عمر بن سعد کی سرداری میں یہ اسیرانِ کربلا یزید کے پاس بھیجے گئے۔ تو تمام قبائل بلکہ عرب کی دنیائے اسلام میں اس جابرانہ گورنمنٹ کے خلاف بغاوت اور نفرت کی ایک سیاسی لہر دوڑ گئی۔ جس نے بنی اُمیہ کے قصرِ امارت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

بے شبہ حضرت حسینؓ تمام دُنیا کو ایثار و حق پرستی کا سبق دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ

اسی شہادت کے متعلق بعض صوفیہ کا یہ خیال ہے۔ کہ مشیت نے رسول اللہؐ کو اس فضیلت سے بظاہر محروم رکھا۔ اِس لئے اس کی تکمیل آپ کی ذاتِ والاصفات سے ہوئی۔ دوسرے الفاظ میں یُوں سمجھئے۔ کہ جو ایثار و قربانی کا نمونہ دنیائے اسلام و بنی نوع انسان کے لئے عملاً میدانِ شہادت میں ضروری تھا۔ وہ حضرت حسینؓ کے ایثار سے مکمل ہوا۔ آپ نے اس دُنیا کے سالکوں کے لئے ایک آخری نظیر قائم کر کے قصرِ ولایت و نبوّت کو چمکا دیا۔ اسی بنا پر آسمانی امداد نے بھی اس جانگداز سانحہ پر سکوت اختیار کیا۔ ورنہ کیا کچھ نہ ہو سکتا تھا! اور تھوڑے دنوں بعد انہیں واقعات کے سلسلہ میں کیا کچھ نہ ہُوا *

اب رہا یہ سوال کہ جب مخالفینِ اسلام کی قہرمانی اور محاصرہ کی یہ شورا شوری تھی۔ کہ آب و دانہ بند۔ نقل و حرکت مسدود۔ نالہ و فریاد ممنوع۔ تو ۷۲ آدمیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہونا مناسب تھا یا نہیں۔ یا بقولِ اعدا و سیاستِ حاضرہ یہ عزمِ جہاد ایک قسم کی خودکشی تھی۔ جو کسی طرح قابلِ معافی نہیں۔ اس کے متعلق سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ نبرد آزما ہونے کا خیال آپ کے ذہن میں کس وقت پیدا ہُوا اور کیونکر ؟

واقعات شاہد ہیں۔ کہ جب آپ مکّہ سے مدینہ اور مدینہ سے کوفہ کی طرف تشریف لے گئے۔ تو بلا مطالعۂ احوال آپ کے دل و دماغ میں جنگ کا خیال نہ تھا۔ جس کے متعلق آپ کے مختلف بیانات نقل کئے جا چکے ہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ آئندہ بڑھ کر یا قوت حاصل ہونے پر آپ اسلامی مفاد کے لحاظ سے سب کچھ قربان کر سکتے تھے۔ اور شمشیر و تدبیر جو کارگر ہوتی۔ اُسی کو استعمال کرتے۔ لیکن کربلا میں پہنچنے اور دشمنوں کے حملہ سے قبل آپ کی

Marfat.com

ذات نے جنگ و خونریزی کو اپنا مطمح نگاہ ہرگز نہیں بنایا۔ آپ کی جد و جہد آخر وقت تک فاعی رہی۔ اور اس کا زندہ ثبوت آپ کی وہ شرطیں ہیں۔ جو آج بھی مسلّمات میں ہیں۔ ہر شخص کو جاننا چاہیئے۔ کہ جب آپ کا محاصرہ ہُوا ہے۔ تو آپ نے یہی شرطیں پیش کی تھیں۔ کہ

۱۔ یا تو مجھ کو مدینہ واپس جانے دو یا۔

۲۔ مجھے راستہ دو۔ یا۔

۳۔ دمشق جا کر خود یزید سے ملنے دو۔

مگر حکومت کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ اور عمر بن سعد ایسی صلح آمیز گفتگو یا شرائط کو کس طرح منظور کر لیتا۔ ان کے جواب ہیں۔ ابنِ زیاد یا گورنر کوفہ کے یہاں سے شرائطِ صلح کے بجائے حُر کو یہ حکم پہنچا۔ کہ

"پس و پیش کی صورت میں اپنے آپ کو معزول سمجھو۔ تم کو حضرت حسینؓ سے صلح کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ یا تو حضرت حسینؓ سے لڑو یا تمہارے بجائے شمر قائم مقام ہوگا"۔

"پھر اسی سلسلہ میں دشمنوں کی یہ غداری بھی ملاحظہ فرمایئے۔ کہ لڑائی کے لئے کوئی چیلنج نہیں دیا جاتا۔ بلکہ بھوکا اور پیاسا مارنا ہی مقصود ہے۔ چنانچہ اوّل سے آخر تک یہی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ جو کرب و اذیت کو بڑھائیں۔ سنئے خود حضرت حسینؓ کا بیان سنئے۔ آپ عمر بن سعد سے لڑائی کے وقت فرماتے ہیں :-

"یہ لڑائی نہیں ظلم ہے۔ لڑائی برابر کی فوجوں میں ہُوا کرتی ہے۔ ہم دو سو اور تم بائیس ہزار اور وہ بھی جنگ کا صبح پر التوا۔ یہ ترکیب صرف اس لئے

Marfat.com

ہے۔ کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے ہم سب مضمحل ہو جائیں "۔

بہرنوع یہ سب اسباب و وجوہات اتمامِ حجت کے مختلف نظائر و دلائل ہیں۔ جو نہ صرف مدافعتی جنگ کو عقلاً و نقلاً حضرت حسینؓ کے لئے مستحسن بناتے ہیں۔ بلکہ ایسی صورتوں میں جاں نثاری کے علاوہ اور کوئی سبیل نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ اخلاقی لحاظ سے بھی کم ہمتی اور بزدلی کی زندگی کوئی زندگی نہیں۔

اب اسی سلسلۂ دفاع میں یا صبر و رضا کے متعلق حضرت حسینؓ کی تقریر اور عمر بن سعد کی گفتگو سنئے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا۔ کہ واقعۂ کربلا کی ذمہ داری اور بیدردانہ افعال کا ارتکاب سرتاسر حکومت یزید کے سر تھا اور ہے۔ حضرت امامؑ نے وقتی حالات اور اسلامی تنزل کا معاینہ کرنے کے باوجود لڑائی کا اس وقت تک عزم نہیں کیا۔ جب تک مذہبی حمیت اور ملی عزت و وقار کا سوال نہیں آیا۔ ہاں جب آپ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ موذی قوم یوں بھی لڑائی پر مجبور کر دے گی۔ یا بلا خونریزی معصوموں کی بے بسی اور بے کسی کا خیال نہ کرے گی۔ تو اس وقت بے شبہ آپ نے میدانِ کربلا میں اپنی شجاعت و شرافت کے وہ جوہر دکھائے جن کا عدم اظہار خاندانِ نبوت کو بٹہ لگاتا تھا۔ سنئے جب آپ یزیدی افسروں کے مظالم سے اکتا جاتے ہیں۔ تو مخالف سردار سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں :۔

"اگر تم ملک کے لئے لڑتے ہو۔ تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ تاکہ میں حبشہ و روم چلا جاؤں۔ مگر اہل و عیال کو جو تشنگی سے جاں بلب ہیں۔ پانی تو دو۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اَلحُکمُ لِلّٰہ وَرَضِینَا بِقَضَاءِ اللّٰہ یعنی تمام حکم خدا کے لئے

Marfat.com

ہیں۔ اور ہم اس کی مرضی پر راضی ہیں؟

اس کے بعد امیر شام یعنی عمر بن سعد آپ سے اس طرح مخاطب ہوتا ہے۔

امیر شام :۔ اے پسرِ علیؓ تو کب تک خصومت کریگا۔ آخر ایک آدمی کتنے آدمیوں کو مارے گا۔

حضرت حسینؓ :۔ اے شامی! میں تمہاری جنگ کے واسطے نکل کر آیا ہوں یا تم مجھ سے جنگ کرتے ہو، تمہارا راستہ میں نے بند کیا ہے یا تم نے میرا راستہ بند کیا ہے۔ سن میرے برادر و فرزند تو نے شہید کیے یا میں نے؟

غرض مذکورہ بالا اشارات سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا۔ کہ ابھی حضرت حسینؓ صرف باطل کو مٹانے اور حق کی اشاعت کے لئے تدبیریں سوچ ہی رہے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ نے کوفہ کی طرف عملی قدم اٹھایا تھا۔ کہ امرائے یزید نے آپ کو سرنگیف ہونے کے لئے مجبور کر دیا۔ ایسی صورت میں یہ فرضی خیال خود بخود غلط ہو جاتا ہے۔ کہ آپ کوفہ یا میدانِ کربلا میں محض جنگ کی خاطر تشریف لے گئے یا ملک و دولت اور خلافت کا خیال آپ کے دل و دماغ میں گردش لگا رہا تھا۔

اب یہ سمجھئے کہ آپ میدانِ جنگ میں اپنی قوتِ ضمیر و ایمان کا کس وقت مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور بہادری و ایثار کی موت کو ایک فاسق و فاجر کی بیعت پر عملاً کیونکر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کی مجبوریاں اور صورتِ حال کی نزاکت خود آپ کی پوزیشن اور صفائی کی بہترین

Marfat.com

دلیل ہے۔ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ[1] یا (نعوذ باللہ) خودکشی کے ذمہ دار آپ کسی طرح نہیں ہو سکتے !+

خط و کتابت و گفتگو بلکہ ہر گونہ رسل و رسائل کا مرحلہ طے ہو چکا ہے۔ دشمن سے صلح کی امید بالکل منقطع ہو چکی ہے۔ یزید کا لشکر جرار ان چند معصومین کو مٹانے کے لئے تلا ہوا ہے حضرت امامؑ کا سمجھانا قطعاً بے سود ثابت ہوتا ہے۔ خود مختلف شرطیں پیش کرتے ہیں۔ انسانیت و رحمدلی کے نام پر حضرت علیؑ اصغر کے لئے پانی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور عمرو بن سعد سے فرماتے ہیں۔ کہ

"اے عمرو بن سعد ماتا کے درد سے مجبور ہو کر اور تجھ کو صاحب اولاد سمجھ کر شہر بانو کے اس بچہ کو تیرے پاس بھیجا ہے۔ دیکھ پیاس سے اکھڑی ہوئی سانس کو دیکھ اور اصغر کو چند قطرے پانی کے پلا دے۔ میرے نانا کی امت تیرے اس فعل کو نیکی سے یاد کرے گی۔ انسان بن اور انسانیت کو بٹہ نہ لگا"

مگر اس اپیل کا جواب کسی شقی کے تیر سے ملتا ہے۔ اور حضرت اصغرؑ تڑپ کر شہید ہو جاتے ہیں۔ اور آپ ان کی لاش کو خود واپس لاتے ہیں +

اسی قسم کے اور دوسرے طریقے ہیں۔ جو اتمام حجت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن جب شکر و صبر کی انتہائی منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ انسانی رضا و تسلیم کی آخری اسٹیج آجاتی ہے تو آپ شمشیر آزما ہوتے ہیں۔ اور اس نزاکت حال و پریشانی کے عالم میں بھی اپنے آبائی عزم و استقلال اور ایثار و قربانی خدا پرستی و توکل کو نہیں چھوڑتے۔ بلکہ اپنی پاکیزہ زندگی کو تمام دنیائے اسلام کے لئے ایک معرکۂ عبرت بنانا چاہتے ہیں۔ بقول ابی مخنف صاحب مقتل، جس وقت

---

[1] اپنے آپ کو ہلاکی میں مت ڈالو +

Marfat.com

آپ شمشیر بکف ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ اشعار ہیں ؎

أَنَا ابْنُ عَلِيِّ الطُّهْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ ۔۔۔ كَفَانِي بِهَذَا مَفْخَرٌ حِينَ أَفْخَرُ

ہم ابن علیؑ ہیں اور آلِ ہاشم ہمارا خاندان ہے ۔۔۔ اگر میں اس فضیلت پر فخر کروں تو میرے لئے یہی کافی ہے

فَاطِمَةُ الزَّهْرَاءُ أُمِّي وَأَبِي ۔۔۔ وَعَمِّي هُوَ الطَّيَّارُ فِي الْخُلْدِ جَعْفَرُ

حضرت فاطمۃ الزہراؑ میری والدہ ہیں اور میرے والد ۔۔۔ اور چچا حضرت جعفر طیارؑ ہیں

بِنَا بَيَّنَ اللّٰهُ الْهُدَىٰ عَنْ ضَلَالَةٍ ۔۔۔ وَنَحْنُ سِرَاجُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ نَزْهَرُ

ہمارے ہی ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہدایت و گمراہی کو جُدا کر کے دکھایا۔ ہم زمین پر شمع الٰہی ہو کر چمکے۔

وَنَحْنُ وُلَاةُ الْحَوْضِ نَسْقِي مُحِبَّنَا ۔۔۔ بِكَأْسِ رَسُولِ اللّٰهِ مَنْ لَيْسَ يُنْكَرُ

ہم حوض کوثر کے والی ہیں اور ان لوگوں کو جو ہمارے منکر نہیں ہیں۔ رسول اللہ کے جام سے سیراب کرینگے

وَشِيعَتُنَا فِي الْخَلْقِ أَكْرَمُ شِيعَةٍ ۔۔۔ وَبَاغِضُنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَخْسَرُ

ہماری جماعت مخلوق میں بہترین جماعت ہے۔ اور ہم سے نفرت کرنے والے قیامت کے دن خسارے میں رہینگے

ہاں! اسی جانگسل مناظر میں عمرو بن سعد آپ سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے:-

"دیکھو حسینؑ اگرچہ خلیفہ یزید اور ابن زیاد کا حکم یہی ہے کہ میں آپ کو زندہ نہ چھوڑوں۔ لیکن اگر اب بھی آپ بیعت پر آمادہ ہو جائیں۔ تو میں اپنے حکم سے آپ کو زندہ چھوڑ دونگا"[1]

اس پر حضرت حسینؑ تن تنہا جرأت و بسالت کے ساتھ جواب دیتے ہیں:-

[1] ص ۲۰۳ سیدہ کا لال۔

Marfat.com

عمرو بن سعد[1]! ابنِ زیاد اور یزید کے احکام تو نے پڑھ لئے۔ اور ان کی تعمیل میں حسینؑ ابن علیؑ کا بچہ شہید ہو گیا۔ سن بیعت یزید کی صدا تیرے اور شیطان کے منہ سے قدم قدم پر نکل رہی تھی۔ اگر میں ڈگمگا جاتا۔ اور خاندان کے تعلق اور بچّوں کی محبت مجھ کو پھسلا لیتی۔ تو زندگی کے عیش مجھ سے دور نہ تھے۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ جس نے مجھے صبر کی توفیق بخشی۔ عمرو بن سعد! میں اگر چاہتا۔ اور بیعتِ یزید منظور کر لیتا۔ تو تجھ جیسے نہ معلوم کتنے آدمی میرے قدموں پر گرتے اور خود یزید میرے پاؤں چومتا۔ مگر ضرورت تھی۔ کہ میں مسلمانوں کے واسطے صبر و شکر استقامت و ایثار، استقلال و خودداری کی ایسی بنیاد رکھ دوں۔ جس پر آنے والے مسلمان بہ آسانی عمارتیں تیار کر سکیں میرا عقیدہ ہے۔ کہ عالم الغیب صرف خدائے لاشریک ہے۔ مگر تجھے بتائے دیتا ہوں۔ کہ تیری توقعات پوری نہ ہوں گی۔ اور دنیا بہت جلد تجھ کو اپنا کرشمہ دکھائیگی۔ میں نے قبل از جنگ بھی تجھ سے کہا تھا۔ کہ بیعتِ یزید ناممکن ہے۔ اور میں دُعا کرتا ہوں۔ کہ خدا مجھ کو اس وقت کے لئے زندہ نہ رکھے۔ کہ میں چند روزہ زندگی کے واسطے ایک فاسق و فاجر کی بیعت کا دھبّہ بنو فاطمہؑ کے دامن پر لگاؤں۔ عمرو بن سعد! یقین کر مجھ کو تیری حالت پر رحم آتا ہے۔ تو اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر چکا۔ تیرے اعمال سے شیطان بھی اس وقت پناہ مانگ رہا ہے خدا سے ڈر موت کو برحق سمجھ۔ سُن یہ ہماری شان اور مردوتی جوہر ہے۔ کہ سخت سے سخت دشمن کو بھی تباہی سے بچا کر اپنا کرم دکھاتے ہیں۔ تو جن اسباب کو اذیّت سمجھ رہا ہے۔ وہ میرے واسطے مسرّت سے بدل گئے۔ ہزار شکر ہے۔ اس قادر ذوالجلال کا جس نے مجھے ضمیر عطا کیا۔ میں

[1] تاریخ شہادت از راشد الخیری (ملخصاً)

Marfat.com

تجھ کو بتاتا ہوں۔ کہ تمام دوران میں اگر مجھ کو کوئی کھٹکا تھا۔ تو یہی کہ کہیں بچوں کی محبت میرے ضمیر پر غالب نہ آجائے۔ بحمداللہ کہ جھوٹی توقعات اور فانی ضروریات حقیقت سے مغلوب ہو گئیں میں خدا کے حضور میں سرخرو جا رہا ہوں۔ بے شبہ میں خوش نصیب ہوں۔ اگر میری قربانیاں خدائے برتر کے دربار میں مقبول ہوں"+

بہر نوع عمرؓ بن سعد اس کا جواب یہی دیتا ہے۔ کہ اب میں فضول گفتگو سننے کے لئے تیار نہیں۔ میری فوج کا ہر بہادر حملہ کی اجازت مانگ رہا ہے۔ اور یہ میرا احسان ہے۔ کہ میں خاموش ہوں۔ چنانچہ عمرؓ بن سعد انس بن سنان کو حکم دیتا ہے۔ کہ حسینؓ بن علیؑ کا سر قلم کرے اور اس کے بڑھنے پر حضرت امامؑ ایک برچھی سے اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح آپ شخصاً سرگرم قتال ہوتے ہیں +

ان واقعات اور اس نازک منزل حیات پر پہنچنے کے بعد ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ حضرت حسینؑ تو حضرت حسینؑ وہ کونسا حساس اور باحمیت آدمی ہوگا۔ جو شمشیر بکف ہونا گوارا نہ کرے گا۔ اور اگر نہ ہوگا۔ تو کس قسم کا انسان مانا جائیگا۔ اس میں ذرہ بھر شبہ نہیں کہ حضرت امامؑ نے ہر موقع پر اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا۔ اور اس احتیاط و خوبی کے ساتھ کہ توازن عقل اور سیاسی و مذہبی مصلحتوں کے لحاظ سے اپنے اوپر کوئی دھبہ نہ آنے دیا۔ درحقیقت انسانی زندگی کی یہی وہ خطرناک اور نازک ترین منزلیں ہیں۔ جن میں بڑے بڑے شجاعوں اور سورماؤں کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ انہیں مواقع پر اکثر افراد یا تو مجنوں اور پاگل بنجاتے ہیں۔ یا اپنی شقاوت قلب سے انسانی و اخلاقی ذمہ داریوں کو قطعاً بھلا دیتے ہیں۔ حضرت حسینؑ علیہ السلام نے افراط و

Marfat.com

تفریط دونوں سے بچکر جس خوبی و پاکیزگی سے اس معرکہ کو سر کیا ہے۔ اس کو نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ تمام دنیا کے اہلِ بصیرت ہمیشہ کے لئے ایک درسِ حریت اور معجزہ عمل سمجھیں گے۔ یہ آپ ہی کی ذات گرامی تھی۔ جو عین جنگ کے وقت کسی جابرانہ قوت سے نہ دبی! ور انکار بیعت کے سلسلہ میں تمام انسانوں کے لئے ایک شاہراہ زندگی بنا گئی۔ آپ کو غالباً اس حقیقت کا علم ہوگا۔ کہ حسینؑ علیہ السلام کی یہ تمام سرگرمی و جانفشانی سر تا سر مدافعانہ تھی۔ چنانچہ عمرو بن سعد نے ان پرستارانِ حق کے خلاف سب سے پہلے تیر چلایا۔ اور لوگوں سے پکار کر کہا۔ کہ "اے لوگو گواہی دینا پہلا تیر میرا ہے"۔

غرض ان واقعات کے خلاف جو اوپر بتائے گئے ہیں۔ بے جا اعتراضات و شبہات کو دل میں جگہ دینا سر تا سر نادانی و جہالت ہے۔

اسی طرح قبیلہ بندی اور پچھلی خاندانی رقابت کی بنا پر میدانِ کربلا کا سنگِ بنیاد قائم کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اہلبیتِ اطہار کا مشن شخصی نہیں ہو سکتا۔ وہ ہماری آپ کی ذہنیت رکھنے والے نہیں تھے۔ بلکہ جو کچھ کرنا چاہتے تھے۔ تمام دنیائے اسلام کے مفاد کے لئے۔ اور ایسی صورت میں خاندان۔ جماعت۔ گروہ۔ قبیلہ اور فرقہ کا سوال ہی بے کار ہے۔ دور متعلقہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ کا خیال اتنا ضروری نہیں تھا۔ جتنا استیصال یزید اور قیامِ جمہوریت کا۔ اسی لئے حضرت حسینؑ نے کبھی اور کسی موقع پر ایامِ جہالت کی رقابتوں کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ نفسا نفسی اور پارٹی بندی تو اسلام یا محمدؐ رسول اللہ صلعم کی تعلیم و تبلیغ نے بہت زیادہ مٹا دی تھی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ دوسری پارٹی کے دماغ نے اپنی تمام سرگرمیوں کی بنیادیں اسی خیال پر قائم کی ہوں اور وہ رسولؐ اللہ کی تعلیم کو بھلا چکے ہوں۔ بہر نوع اسی قسم کے سطحی خیالات سے حضرت حسینؑ

Marfat.com

کا پاکیزہ دماغ قطعاً نا آشنا محسوس ہوتا ہے۔ آخر میں یہ بھی نہ بھولئے۔ کہ جذبۂ حریت کے متعلق فلسفۂ مذہب و سیاست کا اشتراک اور اس کا سمجھنا حقیقتاً ہر شخص کے لئے محال ہے۔ بقولِ اقبالؒ :۔

جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

اب ذرا حضرتِ امام کی مافوق الفطرت قوتِ ضمیر کا مطالعہ فرمائیے اور خود باضمیر بنئے ۔

Marfat.com

قوّتِ ضمیر و جوہرِ ایمان

Marfat.com

قوّتِ ضمیر و جوہرِ ایمان

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے گوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تُو ہے

ضمیر کیا چیز ہے! وہ دل نہیں جو خاک و خون میں ڈوبا ہوا آپ کے سینوں میں تڑپ رہا ہے! وہ جزوِ بدن نہیں۔ جو انسان و حیوان کے نظامِ جسمانی کو برقرار رکھنے والا ہے نہیں! بلکہ ہم جس قلب و ضمیر سے بحث کر رہے ہیں۔ اس سے مراد وہ مرکزِ روح ہے۔ جو انسان کو انسان اور فلسفۂ اخلاق و نفسیات کے ماتحت ہمارے تمام پاکیزہ افعال کو منظم بنا کر ہماری زندگانی کو حقیقی زندگی بناتا ہے۔ جس طرح جسم کے لئے ایک مرکزِ مادی ہے۔ اسی طرح روح کے لئے ایک مرکز مقتضائے فطرت ہے۔ یہ اس مادی طلسم یا جسمانی مشینری کے پُرزہ پُرزہ میں اسی طرح مستور و مخفی ہے۔ جیسے کہ (بہ تشبیہ ناقص) پھول میں خوشبو۔ شراب میں مستی۔ مہندی میں رنگ آفتاب میں نور۔ اس کا سرچشمہ علوی قوتیں ہیں۔ اور انسانی بدن میں قلب و دماغ اس کے آلۂ کار ہیں۔ یہی ضمیر یا قوتِ ضمیر تمام صفاتِ کمال اور تجلیاتِ الٰہی کا مظہر ہے۔ علم نفسیات و فلسفۂ اخلاق میں اسی کا دوسرا نام (concience) کانشنس یا نفسِ ناطقہ بھی ہے۔ جس کے بغیر زندگی کوئی قابلِ قدر چیز نہیں رہتی۔ بقولِ اہلِ باطن۔ یہی خدا تعالیٰ کا عرش ہے[1]! اور اسی کے فیضان و

---

[1] مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ ۔

Marfat.com

ارتقا سے زندگیِ جاوداں نصیب ہو سکتی ہے۔ اس کی شناخت ذاتِ الٰہی کی شناخت ہے۔ اور قوتِ الہام و وحی و مکاشفہ اسی کے مختلف مدارج ہیں۔ یہ آپ غالباً نہیں جانتے۔ کہ جسمانی حیات کی شکست و ریخت کے بعد بھی قوتِ ضمیر انسانی ہستی کی ذمہ دار بنکر اس کو عالمِ جاودانی کی سیر کراتی ہے۔ اور اربابِ نظر کی رائے میں اسی کی بہترین حالت کا نام جنّت اور فردوس! اور اسی کی بدترین حالت کا نام دوزخ اور جہنّم ہے۔ اس کی دنیا میں وہ تمام چیزیں جو کسی آدم زاد کو پستی کی طرف لے جائیں۔ سخت مہلک اور وہ تمام صفات جو انسانیت کی بلندی تک پہنچائیں مسیحائی کا اثر رکھتی ہیں۔ یہی باعث ہے کہ تمام پیغمبروں کے مقصدِ زندگی میں مادی اصلاح کم اور قوتِ ضمیر کا نشوونما بہت زیادہ ملتا ہے۔ اس کے قانونِ تصرّف سے انسانی اعمال و افعال کا کوئی شعبہ تمدّنی ہو یا معاشرتی، نظامی ہو یا عسکری، ذہنی ہو یا مادی، باطنی ہو یا ظاہری مستثنیٰ نہیں۔ ہاں جو لوگ دنیا کی بوالہوسی میں الجھ کر یا مادی لالچوں میں پھنس کر اپنے آپ کو گندہ و کثیف بنا لیتے ہیں۔ وہ مقصدِ حیات اور قوتِ ضمیر کے سمجھنے سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ تمام آسمانی کتابیں اور انسان کے خود ساختہ علوم اس فیصلہ پر متفق ہیں۔ کہ ایسے نااہل یا بے ضمیر آدمی دنیا کی ارذل ترین مخلوق ہیں۔ برخلاف اسکے باضمیر اصحاب، باایثار ہستیاں، معزز ترین افراد بلکہ دنیا میں جتنے پیغمبر اور ریفارمر آئے یا بنے ہیں ان میں سب کے سب اسی کی پر مصعوبت منزلوں اور کشمکش جذبات کے خارزار سے گزر کر منزلِ مقصود پر پہنچے ہیں ملخصاً یوں سمجھئے۔ کہ اس قوتِ ضمیر یا جوہرِ ایمان کے اعلیٰ مدارج پر جو شخص جس قدر فائز ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے اس کی منزلت و مرتبت مانی جاتی ہے۔ اس کے اثرات میں زہد و تقویٰ، عصمت و عفاف، ایثار و قربانی، راستی و ایمان، خودداری و حمیت، شجاعت و فتوت، حریت و استقلال، خودداری اور

Marfat.com

عزتِ نفس، جذبۂ جہاد بالنفس والمال بلکہ تمام صفاتِ اخلاق داخل ہیں سُنیئے ایک باضمیر انسان اور ایک صاحبِ سیرت کی پہچان یہی ہے۔ کہ وہ اپنی باطنی زندگی پر مادی زندگانی کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔ اسی قوت خاص کا دوسرا نام ایمان بھی ہے۔ جوہر صاحبِ بصیرت کی جان ہے۔ بہر نوع اس تمہید سے آپ نے اس قدر سمجھ لیا ہو گا۔ کہ ضمیر سے کیا مراد ہے۔ نظامِ زندگی میں خواہ مادی ہو یا روحانی۔ اس کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ اور آج کل یہ قوت عملاً کس قدر کمیاب و نادر ہے۔ اب ذرا اسی تبصرہ کی روشنی میں اصل موضوعِ کتاب کی طرف توجہ فرمایئے ؎

تمناؤں کو اپنی خود مٹانا
شبابِ جاودانی زندگی ہے

واقعۂ کربلا اوّل سے آخر تک قوتِ ضمیر و ایمان کا ایک دفتر ہے۔ ہم حضرت حسینؓ کے اعمال و افعال سے چند اشارات و نظائر پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین یہ سمجھ سکیں۔ کہ سیرت کیا چیز ہے۔ صاحبِ سیرت کون ہو سکتا ہے۔ اور باضمیر بننے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے؟ اس دنیا میں سب سے پہلے ہر قسم کی خود غرضی اور خوف کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ اپنی تمناؤں کو خود کچلنا اور اپنے ہی ہاتھوں سے انہیں پامال کرنا اس کی ابجد ہے شکم سیر ہونے کے بجائے بھوکا رہنا۔ پانی پینے کے بجائے پیاسا رہنا۔ اطلس و کمخاب کے بجائے ٹاٹ اور کمبل اوڑھنا۔ نرم گدوں کے مقابلہ میں فرشِ خاک پر سونا ناز و نعم کے ہوتے ہوئے مصیبتیں جھیلنا۔ عیش کے بجائے تکلیف سہنا دشوار باتیں ہیں مگر باضمیر اصحاب کے لئے نہیں۔ وہ حق پرستی و راست بازی کی خاطر تمام قسم کے مصائب کو عین راحت خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت حسینؓ کا یزید سے بیعت کر لینا

Marfat.com

بیعت نہ کرنے سے کس قدر آسان تھا۔ اور اسی سہل گیری کی خاطر نہ معلوم کتنے افراد نے اسکو سر آنکھوں پر قبول کر لیا۔ لیکن ایسا قانون جس میں ضمیر کا خون ہو، حق شعاری مٹ جائے۔ نیکی نیکی نہ رہے، جوہرِ ایمان خاک میں مل جائے۔ اہلِ ضمیر کبھی گوارا نہیں کر سکتے۔ رسولِ کریمؐ نے اپنے مشن کی خاطر جھوٹی دولت و حکومت۔ عزت و راحت کو خیر باد کہا۔" اور کفارِ قریش کے جواب میں یوں فرمایا۔ کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں چاند اور دوسرے میں سورج دے دو۔ پھر بھی میں اسلام کی تبلیغ سے باز نہیں آسکتا۔" سبط نبیؐ نے بھی یزید کے خلاف اور خدائی مرضی کی موافقت میں علانیہ طور پر یہ فرما دیا۔ کہ بیعتِ یزید ناممکن ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ اس نے باضمیر بنایا۔ میں چند روزہ زندگی کے لئے بنی فاطمہ کے دامن پر دھبہ نہیں لگا سکتا۔ غرض اس حق پرستی کی دھن میں سب ہی کچھ قربان کر دیا۔ پھر حضرت امامؑ کے عزم و وثوق کا یہ عالم ہے کہ جب حرؑ آپ سے آکر ملتا ہے۔ اور جواب تسلی بخش نہیں لاتا۔ تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ مَاعِندی جَوابٌ وَقَدحَقَّتْ عَلَیْہِ کَلِمَۃُ العَذَابُ یعنی میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں حقیقت میں وہ خدائی عذاب کا مستحق ہو چکا ہے۔

اسی میدانِ جنگ میں دشمنوں کی ہر طرف سے ناکہ بندی ہے۔ دریائے فرات کا پانی جانوروں کو مل سکتا ہے مگر اہلبیت اطہارؑ کو نہیں مل سکتا۔ حضرت حسینؑ[1] لڑتے بھڑتے نہر فرات پر پہنچ جاتے ہیں۔ بے حد تشنہ ہیں۔ مگر انتہائی کرب کے باوجود یہ گوارا نہیں کرتے۔ کہ خود پانی پی[2] لیں اور مردہ و افسردہ اعزہ اور تڑپتے ہوئے بچے تشنہ کام رہیں۔ آبِ فرات کو خیمہ تک لانے کی سعی فرما رہے ہیں۔ کہ حصین بن نمیر کا ایک خونخوار تیر آپ کے لبِ مبارک کو زخمی کر دیتا ہے۔

---

[1] ص ۶۳ الحسین + [2] ص ۹۰ مقتل ابی مخنف +

Marfat.com

ساتھ ہی ساتھ اسی کشمکش کے عالم میں یہ بھنک آتی ہے۔ کہ خیمہ ہائے آلِ اطہار میں کسی نے آگ لگادی۔ نہر فرات سے خبر گیری کے لئے پلٹتے ہیں۔ اور زبان مبارک پر یہ الفاظ ہیں۔ رَضِینَا بِقَضَاءِ اللّٰہِ وَالحُکمُ لِلّٰہ ۔

حرفِ شکایت سے لب آشنا نہیں۔ صبر و تحمّل کی انتہائی منزل ہے۔ زمین و آسمان ماتم کناں ہیں۔ مگر ایک انسان کامل بندہ تسلیم و رضا بنا ہوا ہے۔ اور حدودِ ایمان سے سرِ مُو پیچھے نہیں ہٹتا۔ پھر یہ عزم و ثبات۔ یہ صبر و شکر۔ شجاعت و خودداری، اور یہ توکل اور ضمیر پرستی فطرت انسانی کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے اور سُنیئے :-

یزید ایسے جابر و قاہر کی بیعت نہ کرنا اور آخر وقت تک اپنے عقیدہ پر قائم رہنا بذاتِ خود جوہرِ ایمان و قوتِ ضمیر کی ایک زندہ دلیل ہے۔ آپ اسی میدانِ جنگ میں عمر بن سعد سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ کہ :-

"تم مجھ سے یہ اُمید نہ رکھو۔ کہ میں کسی حال میں یزید کی بیعت کرونگا۔ مجھے اس خیال سے کوئی چیز نہیں ڈگمگا سکتی" ۔

ہاں آپ کو غالباً علم نہیں۔ کہ حضرت حسینؑ نے جب یہ اندازہ کر لیا۔ کہ دشمنوں کی قہرمانیت کے سامنے بجز منزل تسلیم و رضا کوئی اور منزل نہیں۔ تو بروایت بستان الشہداء طرماح بن عدی کی امداد قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا جن کی جمعیت سینکڑوں کی تعداد میں تھی مقصدِ انکار یہی تھا کہ یہ مسلمان مخالفوں کی خونریزی سے محفوظ رہیں۔ اسی قسم کا واقعہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں بھی

ل صفحہ ۱۵۴ تاریخ شہادت ۔

Marfat.com

ملتا ہے۔ جن کی حفاظت کے لئے چار سو جان باز غلام موجود تھے۔ مگر عین موقع پر آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ اور یہ نہیں پسند کیا۔ کہ خود غرضانہ مدافعت اور بے نتیجہ حمیت کے سلسلہ میں ان سب کا خون ہو۔ امام الشہداؓ کی یہ پُر ایثار نظیر بھی اسی جوہرِ ایمان پر روشنی ڈالتی ہے۔ جو ہمارے ذہنوں اور نظروں سے کوسوں دور ہے۔ ہم اس قسم کے تمام نظائر کو ایک تماشا اور خلافِ عقل سمجھتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے۔ کہ محض اپنی جان کی خاطر اپنے برادرانِ ملت کا بے سبب خون بہانا مقتضائے ایمان و ضمیر نہیں ہو سکتا +

اسی طرح ذرا اس مسئلہ پر غور کیجئے۔ کہ حضرت حسینؓ نے مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی کے وقت حضرت ابنِ عباسؓ و عبداللہ بن زبیرؓ کا مشورہ کیوں نہیں مانا۔ بلحاظِ نفسیات اس میں بھی وہی قوتِ ایمان و عزم کی ایک جھلک ہے۔ جو آپ کو یمن و شام کے بجائے کوفہ کی طرف لئے جا رہی ہے۔ مذہب کو سیاست پر مرجح سمجھتی ہے۔ اور عزم و توکل علی اللہ کے مقابلہ میں رفقاءِ کار کی رائے کو ٹھکرا دیتی ہے۔ آپ سلطنت کا خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ جو شام و یمن والوں کو ساتھ لے کر اس کے اسباب و وسائل کو تلاش کریں۔ بلکہ کوفہ پہنچکر ان مدعیانِ ایمان و بیعت کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ جو مذہب کے نام پر آپ کو بلاتے ہیں۔ اور یزیدی مظالم سے بیزار ہیں۔ شام کو جانے کی صورت میں یہ ممکن تھا۔ کہ آپ کو تلوار کے دھنی یا سیاسی جانباز اچھے مل جاتے۔ مگر آپ کے اعتقاد کے مطابق ایسے جان باز انِ مذہب نہ ملتے۔ جن کی توقع کوفہ میں تھی۔ اور جن کی تحریریں اور تقریریں آپ تک پہنچ چکی تھیں۔ آپ مذہب و ضمیر کے نام پر مٹنے والے سپاہی اور یزید کے ناپاک اثرات کو مٹا دینے والے جان باز چاہتے تھے۔ اور اسی بنا پر آپ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت

Marfat.com

ابن عباسؓ کے مشورہ کو نہ ماننا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ آپ کا یہ سفر کوفہ آپ کی امیدوں کے مطابق کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ قدرت آپ کے وجود سے جس قوتِ ضمیر و ایمان کا مظاہرہ چاہتی تھی۔ وہ سیاسی نشیب و فراز سے بلند تر چیز تھی۔ اور سفر شام کی صورت میں اس ٹریجڈی کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بہرنوع آپ کی یہ حرکت کوفہ کی جانب اسی روشنی ضمیر و ایمان کے ماتحت تھی جس میں عقل آرائی اور مذاقِ سیاست کا بہت کم دخل ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ کہ قوتِ ضمیر کی بنیاد ہمیشہ ایمانداری و ایثار پر قائم ہوتی ہے۔ آپ کا ضمیر اگر شام و یمن جانے کی گواہی نہیں دیتا تو آپ کیوں تشریف لے جاتے +

پھر اسی قوتِ ضمیر کے ماتحت یہ بھی نہ بھولئے۔ کہ حضرت حسینؑ کا یہ مذہبی ایثار اور منزل بمنزل کوچ کسی ذاتی منفعت کی خاطر ہرگز نہ تھا۔ چنانچہ آپ کی تقریریں اور تحریریں اس کی شاہد ہیں۔ بلکہ یہ تمام صعوبتیں اجتماعی نظام کو درست کرنے اور قانون جمہوریت کو جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے قائم کرنے کے لئے تھیں۔ آپ نے عمر بھر میں دو ایک بار استحقاق خلافت کو ضرور ظاہر کیا ہے۔ لیکن اپنے لئے خلافت کا ادعا کبھی نہیں پسند کیا۔ اگر آپ اپنی ذات کو اس کشمکش سے بچانا چاہتے تو عزت و وقار کے ساتھ ممکن تھا۔ لیکن مذہبی وقار اور ایمانی فرائض بلا اس ایثار کے ہرگز مکمل نہ ہو سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اصولِ اسلام کی خاطر برضا و رغبت قربان ہونا پسند کیا۔ اوروں کی طرح ضمیر فروشی نہیں گوارا کی۔ دوسرے الفاظ میں اس کو یوں سمجھئے۔ کہ آپ کا یہ معرکۂ حریت عہد شکنوں کو سزا دینے اور اسلامی دنیا کو اخلاقی و معاشرتی اور سیاسی و مذہبی گندگیوں سے بچانے کے لئے تھا۔ اس قدر آپ خود جانتے ہیں۔ کہ اسلامی اصول کے مطابق خلافت حاصل نہیں کی جاتی۔ بلکہ جمہور کی طرف سے

Marfat.com

ملا کرتی ہے۔ بہر نوع قدرت نے آپ کے ارادۂ خاص یا استیصالِ یزید کی تکمیل آپ کی زندگی میں نہیں کی مگر تھوڑے ہی دنوں بعد دُنیا کے ہر فرد پر یہ حقیقت روشن ہوگئی۔ کہ استبداد و ظلم ضمیر و ایمان کے مقابلہ میں کس قدر ذلیل اور بے ثبات ہیں، فتحمندی ہمیشہ حق پرستی کے قدم چومتی ہے۔ اور آج بھی یہی قانونِ قدرت جاری ہے۔ تاریخ حریت کا یہ نظریہ جو میدانِ کربلا میں عملاً وجود پذیر ہوا۔ کمزور طاقتوں اور مغلوب اقلیتوں کے لئے ایک درسِ حقیقت ہے۔ اس وقت ہمارا ہندوستان بھی اسی منزل سے گزر رہا ہے۔ اور عدم تعاون اور عدم مقاومت اسی میدانِ سیاست کی ادنےٰ شاخیں ہیں۔ کاش ہمارے ابنائے وطن اگر زیادہ نہیں تو حضرت امامؑ کی سیرت کو پڑھ کر قوتِ ضمیر اور جوہرِ ایمان کی وقعت کو سمجھ سکیں۔ غلامانہ ذہنیت کو چھوڑ کر حریت و بیداری کی روح کو جگائیں۔ اور کم از کم یہی ذہن نشین کر لیں۔ کہ ایک انسانِ کامل کسے کہتے ہیں اور باضمیر ہستی کون سی ہے! حضرت جوشؔ اس مسئلہ پر اس طرح جو شزن ہیں :- ؎

آہیں خیالِ مرگ میں بھرتا ہے کس لئے
اس ظاہری حیات پہ مرتا ہے کس لئے

وقت کی گھاٹیوں میں اُترتا ہے کس لئے
نامردِ نام مرگ سے ڈرتا ہے کس لئے

سعیِ نفس ہے باعثِ تقلیلِ زندگی
او بد دماغ موت ہے تکمیلِ زندگی

گھبرا نہ راحتوں میں جو تیری خلل پڑے
صدموں میں خواہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

افسوس کر جو آنکھ سے آنسو نکل پڑے
لب پر ہو آہ اور نہ ابرو پہ بل پڑے

ایذا میں کام لے نہ کبھی شور و شیں سے
او دشمنِ شعور سبق لے حسینؑ سے

Marfat.com

"قوّتِ عمل و توازنِ دماغ"

Marfat.com

قوّتِ عمل و توازنِ دماغ

روا ں ہے کشتیِ دل غم کے طوفاں خیز دریا میں
خدا جب ساتھ ہے تو ناخدا کی کیا ضرورت ہے

حادثاتِ زندگی اور وہ بھی سانحے انسانی صحت کے لئے تباہ کن اور دل و دماغ کو الٹ دینے والی چیزیں ہیں۔ ہر انسان انہیں کی خوفناک زد سے نیستی کے سمندر میں ایک نہ ایک دن ڈوب جاتا ہے۔ اور جب اعضاءِ جسمانی کی قوتِ مدافعت جواب دے جاتی ہے۔ تو رفتہ رفتہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہی باعث ہے۔ کہ ضرورت سے زیادہ سرگرمِ عمل اور غیر معمولی مصیبتوں کے جھیلنے والے کچھ زیادہ تندرست و توانا نہیں ہو سکتے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہی کشمکشِ مصائب اور دلکش واقعات فطرتِ انسانی کے بہترین معلّم ہیں۔ بلکہ حقیقتِ زندگی انہیں کی مدد سے بے نقاب ہوتی ہے۔ اسی بنا پر جو دل اور دماغ توازنِ عقل کے ساتھ ساتھ غیر معمولی مصائب کو جھیل کر اپنے اعلیٰ مقاصدِ زندگی کو مکمل بناتے ہیں۔ وہی شرافت و عزت کی اوّلین صف میں جگہ پاتے ہیں۔ یوں تو اس قسم کے دو ایک سانحے ہر شخص کے لئے ضروری ہیں۔ لیکن دُنیا کی ممتاز شخصیتوں اور مافوق الفطرت انسانوں کا گہوارہ یہی مصائب و حوادث ہوتے ہیں۔ وہ اسی ہجومِ غم و آلام کی پرشور دنیا سے اپنے لئے ایک نئی دُنیا پیدا کر لیتے ہیں۔ اور اذیت پر اذیت اور مصیبت پر مصیبت ان کے اندرونی جوہر کو اور زیادہ چمکاتی ہے۔ تمام دُنیا کی عظیم الشان ہستیوں میں کوئی فرد ایسا نہیں مل سکتا جس کی زندگی نازونعم سے لبریز ہو۔ اور پھر بھی وہ عظیم الشان بن سکا ہو۔ بنی نوع انسان کی قیادت یا خلافتِ الٰہی

Marfat.com

کا شرف اور تکمیل انسانیت کی بزرگی سوکھی روٹی کے ٹکڑے کھانے والوں۔ گلہ بانوں۔ گڈریوں۔ باغبانوں، چرواہوں۔ ماہی گیروں۔ خیمہ دوزوں اور فاقہ کشوں ہی کو نصیب ہوئی ہے۔ یہی بے سروسامان روحانی و مادی فضاؤں میں قائدِ اعظم بنکر ایک عالم کے لئے رہبر بنتے ہیں۔ اور یہی بے بس و بےکس اور بے یار و مددگار خدا کے مقرب اور دنیا کے لئے شفیع ثابت ہوتے ہیں۔ یہ قابلِ احترام افراد جو اپنے ایثار کی بنا پر دنیا کے محسن مانے جاتے ہیں ؛ مقلدوں کی طرح زمانہ کے ساتھ نہیں چلتے۔ بلکہ آسمانی توفیق کی روشنی میں زمانہ کو اپنے نقشِ قدم پر چلاتے ہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا مخمل و کمخاب کے نرم نرم گدے نہیں ہوتے۔ جو سر تا سر جھوٹی راحت کا مرکز ہیں۔ بلکہ یہ حقیقی اور جاودانی آرام کے دلدادہ مادی زندگی کو فی الواقع پھولوں کی سیج بنا دیتے ہیں۔ ان کا قانون زندگی عام انسانوں کا وہ احمقانہ عیش اور راحت طلبی نہیں ہوتی۔ جو سیاسی و مذہبی زندگی کے لئے مہلک اور ہر آدم زاد کے دماغ میں موجزن ہے۔ بلکہ ان کی تمام جد و جہد اعلیٰ ایثار و قربانی اور مخلوق کی انتہائی ہمدردی و بہبود کا مظہر ہوتی ہے۔ جن ہمت شکن معرکوں اور جانفرسا منزلوں میں بہادر اور شجاع چیختے چلاتے اور روتے ہیں۔ وہاں یہ مسکرا لیتے ہیں۔ اور جہاں کہیں ان بزرگوں کو جان و مال اور عزیز و اقربا کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ وہاں ان کا سرِ تسلیم دلی مسرتوں کے ساتھ خود بخود خم ہو جاتا ہے۔ مذہبی اصطلاح میں ان ممتاز انسانوں کی قوتِ عمل اور مجاہدانہ سرفروشی کو خدائی آزمائش[1] سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اپنی بے سروسامانیوں کے بعد جائز طور پر باسروسامان بن سکتے ہیں۔ وہی مقربین الٰہی کا شرف حاصل کر کے جاودانی انعام و اکرام سے مالا مال ہوتے ہیں۔ گویا

---

[1] لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ٭

Marfat.com

یہ سانحات اور یہ ابتلا کھرے اور کھوٹے جاندار و بے جان، بلکہ نیک و بد کے لئے ایک کسوٹی ہے اور ان بزرگوں کے فقر و فاقہ اور غربت و افلاس پر قانونِ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ[1] کے ماتحت کروڑوں جانور نما آدمیوں کی شکم سیری اور بے شمار دولتمندوں کی قارونیت نثار ہو جاتی ہے۔ بے شبہ روحانی فلسفہ کی پہلی منزل یہی ہے۔ تاکہ مادی حواس کی اُلجھنیں دور ہو سکیں۔ اور باطنی قوتوں میں بیداری پیدا ہو۔ تمام انبیاء و رسل، ولی و امام، صوفیہ و اہلِ باطن، حتّٰی کہ مادی حکومتوں کے بانی اور ڈکٹیٹر بھی جب تک اس دشوار گزار منزل سے نہیں گزرتے۔ انسانیت اور سیاست کی معراج کمال پر ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ زندگی کی پُرصعوبت منزلیں، ہمت شکن سانحات، قیامت خیز طوفان، جانفرسا خطرات اور دیگر ارضی و سماوی بَلیّات ان با استقلال و ممتاز افراد کی قوتِ عمل اور توازنِ دماغ کو متزلزل نہیں بناتیں۔ اور اسی لئے ان کا شرف اور امتیازی فضیلت صفاتی نہیں بلکہ ذاتی مانی جاتی ہے۔

بہر نوع یہ مختصر تمہید فلسفۂ کربلا اور سیرتِ امامؑ کی طرف ایک ذہنی اشارہ ہے۔ اب آپ اس قدر یقیناً قیاس کر سکتے ہیں۔ کہ قانونِ مشیت نے میدانِ کربلا کے روحانی و جسمانی مصائب کو حضرت حسینؑ کے لئے کیوں انتخاب کیا! اور آپ اس انتہائی ابتلا میں پڑ کر کس قسم کے جوانمرد، اولوالعزم، عالی دماغ، سرگرمِ عمل اور والاگہر ثابت ہوئے۔ بحیثیت انسان آپ کی شخصیت کس قسم کی شخصیت تھی۔ اور قدرت آپ کی ذات والاصفات سے کیا کام لینا چاہتی تھی؟

چھوٹی چھوٹی صعوبتوں اور مصیبتوں کو چھوڑ کر ذرا ان خاص سانحات کی فہرست پر ایک نظر ڈالئے جن کا دامن واقعۂ کربلا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہم ان کی تفصیل میں نہیں جائیں گے بلکہ صرف

---

[1] (حدیثِ رسولؐ) فقر میرے لئے باعثِ فخر ہے۔

Marfat.com

عنوان پیش کر دینگے۔ تاکہ آپ ان کے پس منظر کو خود محسوس کر سکیں +

(۱) رسولؐ اللہ کی موت جو تقریباً دنیائے اسلام کی موت تھی (۲) حضرت فاطمۃ الزہراؓ یا آپ کی والدہ محترمہ کی موت (۳) حضرت علیؓ کی شہادت (۴) مسئلہ امامت و خلافت کی کشمکش جو بذاتِ خود ایک دفتر ہے (۵) جنگ جمل و صفین میں آپ کی سرگرمی (۶) حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں فتح قسطنطنیہ کے لئے سفر اور شرکتِ جہاد (۷) حضرت حسنؓ کی زہر خورانی (۸) یزیدی حکومت کے دباؤ اور اثرات (۹) میدانِ کوفہ و کربلا وغیرہ +

غرض یہ واقعات اور آپ کا پُر کشمکش ماحول اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ کہ اگر آپ اعلیٰ متوازن دماغ کے انسان نہ ہوتے۔ تو دمِ واپسین تک زبردست قوتِ عمل اور سرگرمی و جانفشانی کا مرکز نہ بن سکتے۔ میدانِ کربلا میں تقریباً آپ کی عمر مبارک ۵۸ یا ۵۷ برس کی ہے۔ مگر موجودہ علمبرداران حریت کی طرح بے جا قناعت پسندی اور کم ہمتی کا وہم و گمان آپ کے دل و دماغ میں نہیں آتا۔ آپ شیون و فریاد کو اپنا شیوہ نہیں بناتے۔ بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ آخری وقت تک شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اخلاق و مذہب کی جو ذمہ داریاں آپ کے سر ہیں۔ ان کی ادائیگی میں جانفرسا کشمکشوں کے باوجود ذرہ برابر بھی تساہل یا غفلت نہیں ملتی۔ بلکہ جب اور دیگر وابستگانِ دامن کی روحِ عمل کمزور پڑجاتی ہے۔ تو آپ ہی کی سرگرمی و قوتِ عزم ان میں جان ڈالتی ہے۔ آپ کے پاس اگر اسلحہ نہیں ہیں تو بلا سے۔ جانباز سپاہی اگر زیادہ نہیں ہیں تو نہ ہوں۔ دشمن کی تعداد اگر بے شمار ہے تو سر آنکھوں پر۔ غرض کسی حالت میں اور کسی احوالِ زندگی کے ماتحت مایوسی و اضمحلال آپ پر محیط نہیں۔ بزم میں، رزم میں رنج میں، ملال میں، آپ کے دست و بازو سرگرم اور آپ کے دل و دماغ سعی و جانفشانی اور تدبیر و سیاست

Marfat.com

کے اُبلتے ہوئے سرچشمے ہیں۔ جن کے اثرات میدانِ کربلا میں خصوصاً اور مصافِ زندگی میں عموماً دشمنوں کی سنگین طبیعتوں پر چھا جاتے ہیں۔ وہ نرما جاتے ہیں مگر آپ نہیں۔ حتیٰ کہ انہیں دشمنوں کے بعض افراد مثلاً حُر وغیرہ خود بخود آپ کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور میدانِ کربلا میں آپ ہی کی طرف سے درجۂ شہادت حاصل کرتے ہیں۔ آپ صعوبت و اذیت کی انتہائی منزلوں پر پہنچکر عین معرکہ میں یہی فرماتے ہیں۔ کہ :-

"خدا کی قسم میں ذلیل و خوار ہو کر تمہارا مطیع ہرگز نہ ہونگا۔ اور میں غلاموں کی طرح مجبور ہو کر یزید و ابنِ زیاد کی امارت کا اقرار نہ کرونگا"۔

آپ کسی موقع پر کسی متنفس سے لجاجت و عجز سے رحم و کرم کی اپیل نہیں کرتے۔ بلکہ خاندانِ نبوت کے وقار کو قائم رکھتے ہوئے یہی فرماتے ہیں :-

"میں آلِ فاطمہ کے دامن پر فاسق و فاجر کی بیعت کا دھبّہ نہیں لگا سکتا"۔

اللہ اکبر! ذرا اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے اور سوچئے۔ کہ ہماری انسانی فطرت ان خطرناک اور جانگداز مصائب اور ایسی معرکۃ الآرا صورتوں میں کہاں تک ساتھ دیتی ہے یا دے سکتی ہے اور پھر حضرت حسینؑ کی پاکیزہ قوتِ عمل کا ایک انسان کی حیثیت سے اندازہ لگائیے۔ کہ آپ کی ذات والاصفات اخلاق و حکمت کی کن بلندیوں پر فائز تھی۔ آپ کیا کچھ کر گئے۔ اور ہم ایسے انسانوں کے لئے کس قسم کی شاہراہ ہدایت بنا گئے۔ سُنئے ایسے مواقع پر شیون و فریاد ہمارا طرۂ امتیاز ہے۔ مگر آپ کی سیرت میں یہ کمزوری کہیں نہیں ملتی۔ یقین جانئے کہ انفعالی ہمدردی یا

Marfat.com

بالکنایہ بزدلی کو موجبِ نجات سمجھنا ایک زبردست مغالطہ ہے۔ محض رونے دھونے پر قناعت اور سیرتِ امام حسینؑ سے کوئی عملی سبق نہ حاصل کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ حضرت امامؑ کے نقشِ قدم پر چلنے والوں اور عقلِ سلیم رکھنے والوں کو ایسی کمزوریوں پر بھی ایک اصلاحی نظر ڈالنا چاہیئے۔ تاریخ شاہد ہے۔ کہ کسی زندہ رہنے والی قوم نے اپنی کسی یادگار کو اشکباری و گریہ وزاری سے نہیں منایا۔ یہ نہ سمجھئے۔ کہ اب آپ کے لئے میدانِ عمل نہیں۔ اس وقت بھی آپ کی جدوجہد اور سرگرمی و جانفشانی کے لئے بہت سی کربلائیں ہیں۔ بہت سے قہرمان و جابر دشمنانِ اسلام آج بھی آپ کے مذہبی و سیاسی حقوق کو مٹانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ مٹا رہے ہیں مٹا چکے ہیں۔ اور اگر آپ یونہی خوابِ خرگوش میں رہے۔ تو یقیناً مٹاتے رہیں گے۔ سُنئے کیا آپ نے کبھی اس مسئلہ پر بھی غور کیا۔ کہ اس وقت آپ کی نسبت آبادی ۶۱ھ کی نسبت سے ہزاروں گُنا زیادہ ہے۔ لیکن آپ کی تمام جماعت چند باضمیر و صبر آزما۔ حساس و غیور صف آرا و صف شکن اور یزید کُش انسان میں پیدا کر سکتی۔ اصل میں اس کمزوری اور قحط الرجال کا باعث زیادہ تر اسی انفعالی قوت کی زیادتی ہے۔ جس نے جوشِ عمل کو سخت صدمہ پہنچایا۔ اور انہیں کمزوریوں کو مٹانے کے لئے موجودہ اسلامی سلطنتوں نے ان تمام مراسم و روایات کا قلع قمع ضروری سمجھ لیا ہے۔ جو مسلمانوں کو فنا کی طرف لئے جا رہی ہیں۔ آپ قصداً اپنی قومی کمزوریوں پر بے کسی و بے بسی کا نقاب ڈال رہے ہیں۔ اس لئے کہ اپنے اسلاف کے عزم و ارادہ کی تاریخ دہراتے ہیں۔ لیکن خود کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ اُٹھئے! جاگئے! آنکھیں کھولئے! سوچئے! اور ذرا اپنی اور دوسری قوموں کی رفتارِ ترقی کا اندازہ کیجئے۔ آہ :۔ ؎

Marfat.com

پردہ دار رازِ فطرت اور حقیقت ناشناس
چھپ گیا اسلام تیرا کفر اور تکفیر میں

پھر زمانے کو ترا خونِ جگر درکار ہے
پھر ذرا صبر آزما بن عالمِ تسخیر میں

اوڑھ کر خونیں قبا ہاں پھر کفن بردوش ہو
پھر ذرا رنگیں ادا بن جذبۂ تعمیر میں

ظلمتیں پیغام دیتی ہیں چمکنے کے لئے
اور تو الجھا ہوا ہے خاک دامنگیر میں

(نکہت)

بخدا اس حقیقت یا قانونِ فطرت سے غافل نہ ہو جیئے۔ کہ اگر آپ اور آپ کی ملت اسی گردشِ لیل و نہار اور کورانہ تقلید و بزدلی کے ساتھ رینگتی رہی۔ تو آپ ہرگز زندہ نہیں رہ سکتے اور مصافِ زندگی سے ہرگز جانبر نہیں ہو سکتے۔

اچھا آیئے اب دوبارہ اپنے باکمال مجاہد و مدبر کے سلسلۂ عزم و ثبات اور جذبۂ عمل پر ایک نظر ڈالیں۔ کوفہ و کربلا کے جانگداز تاریخی واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ کوفیوں کی منافقانہ اور متلون فطرت یا غدارانہ سرشت حضرت امامؑ کے لئے محرک بنتی ہے۔ آپ کا عزم ایمانی رفقاء اور احباء کے سمجھانے بجھانے سے بھی متزلزل نہیں ہوتا۔ مکہ سے روانگی کے بعد۔ ہر منزل پر مختلف قسم کی خبریں خواہ صحیح ہوں یا غلط وصول ہو رہی ہیں۔ آپ منزل بمنزل مارچ کرتے ہوئے مع اہلبیت اطہار سفر فرما رہے ہیں۔ کہ راستہ میں حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر پہنچتی ہے۔ لیکن آپ کے قدم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ بلکہ جوشِ عمل مزید مسابقت پر اس لئے مجبور کرتا ہے۔ کہ ایسی قوم سے اس معصوم کا قصاص لینا بھی ضروری ہے۔ عزم و ارادہ اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ اور تزلزل کے بجائے اس میں اس قدر استحکام و ثبات پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ دشمن یا مخالف پارٹی کو بھی آپ کی روحانی

Marfat.com

داخلاقی صفات سے زیادہ مرعوب ہونا پڑتا ہے۔ اب ظلم پر ظلم اور سختی پر سختی کا اضافہ واجبی ہو جاتا ہے۔ اور مقابلہ کے لئے اولاً ایک ہزار اور پھر چار ہزار فوج کی تیاری عمل میں آتی ہے۔ یزیدی گورنمنٹ اس موقع پر یہ مناسب سمجھتی ہے۔ کہ اس مافوق الفطرت شجاع اور جوانمرد کو منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی بے کس و بے بس بنا دیا جائے۔ آپ حُرؑ کی نگرانی میں کربلا تک پہنچتے ہیں۔ اور وہاں بھی میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہونے کا موقع اس وقت دیا جاتا ہے جب آپ کے معدودے چند جانباز پیاس اور بھوک سے مضمحل ہو چکے ہیں۔ پھر آپ کی مرضی کیمطابق نہ تو آپ کو یزید کے پاس جانے دیا جاتا ہے۔ نہ روم و شام نہ مکہ اور نہ مدینہ بلکہ چاروں طرف سے محاصرہ ہو رہا ہے۔ اور یزید کے فوجی کمانڈر آپ کے شیشہ صبر و سکون کو پاش پاش کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر بھی دشمن کے لشکرِ جرار اور سنگدلانہ قہرمانی سے آپ کا ایمانی قلعہ نہیں ٹوٹتا۔ اور سرِ مُو نہیں ٹوٹ سکا۔ آپ اسی میدانِ جنگ میں اور اسی نازک موقع پر عمرو بن سعد سے یہی فرماتے ہیں :-

"یہ کیا بزدلی ہے یہ لڑائی نہیں ظلم ہے۔ لڑائی برابر کی فوجوں میں ہوتی ہے ہم صرف دو سو اور تم ہزاروں۔ ذرا گریبان میں منہ ڈالو۔ اور اس پر بھی تم لڑائی کو صبح پر ملتوی کرتے ہو۔ تاکہ ہم سب کو پیاس مضمحل کر دے" +

خدارا ذرا اس قوتِ عمل اور جوشِ حریت کا اندازہ کیجئے۔ اور پھر سوچئے کہ یہ مظاہرے انفرادی ہیں یا اجتماعی یعنی حضرت حسینؓ صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں یا تمام مسلمانوں کو۔ انصاف کیجئے کہ آپ کس مقصد کے لئے سربکف ہیں! اسلامی فلاح کے لئے، محکومیت کو مٹانے کے لئے

Marfat.com

انسانی یا شخصی قوتوں کے بجائے صرف خدائی قوتوں کے سامنے سرخمیدہ ہونے کے لئے، بیشک ارشاد قرآنی بجا ہے۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی اگر تم واقعی مومن ہو۔ تو تمام دنیا میں تمہیں برتر اور غالب ہو سکتے ہو۔ غرض اسی طرح حضرت حسینؑ کی زندگی جوشِ عمل و ولولہ حریت کا ایک بے نظیر مرقع ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ ان سرگرمیوں میں تہور کا اشتعال کسی جگہ نہیں جو غیر مہذب قوموں کا خاصہ ہے۔ آپ کی سیرت میں صبر و حلم و وقار، دور بینی و سیاست اندیشی سب ہی کچھ ہے اور یہ صفات و محاسن محض حسنِ عقیدت کی بنا پر نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ ایک انسانی سیرت کا ایک انسان ہی کی حیثیت سے مطالعہ کرنے کے بعد۔ میدانِ جنگ میں آپ نے جتنے فرائض انجام دیئے سب کے سب آپ کے اعلیٰ توازنِ دماغ کا بیّن ثبوت ہیں۔ اور قدم قدم پر تربیتِ رسولؐ، دامانِ علیؑ، اور آغوشِ فاطمۃ الزہراؑ، کو یاد دلاتے ہیں۔ آپ ایک جانباز سپاہی یا کمانڈر کی طرح میدانِ کربلا میں جلوہ افروز ہیں۔ معرکۂ کارزار گرم ہے۔ افواجِ دشمن صف در صف پیشِ نظر ہیں، محاصرہ کا عالم ہے، ہر طرف سے دشمنوں کے دل کے دل اُمنڈ رہے ہیں۔ لیکن آپ کوہِ وقار بنے ہوئے میمنہ اور میسرہ کو درست کر رہے ہیں، نہ مذہبی عبادت اور شخصی فرائض سے غافل ہیں، نہ اپنی گنی چنی فوج کی خبر گیری سے، نہ خاتونانِ حرم کی تسلی اور دلاسے سے، نہ اسلحہ و افواج کو نظر انداز فرماتے ہیں۔ اور نہ اپنی فوج کے جوشِ عمل اور جذبۂ رقتال کو گھٹنے دیتے ہیں۔ نہ دشمنوں کے دھوکے میں آتے ہیں۔ نہ اُن کو راہِ راست پر لانے سے غافل ہیں، اتمامِ حجت کے لئے جوشیلی تقریر فرماتے ہیں، اور مسخر القلوب ہونے کے لحاظ سے دشمن کے بہت سے افراد کو اپنا دوست بنا لیتے ہیں، آپ اس جد و جہد میں، نہ دامانِ عظمت کو چھوڑتے ہیں! اور نہ تشنگانِ کربلا کے لئے پانی بہم پہنچانے

Marfat.com

میں پست ہمت دکھائی دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ لڑتے بھڑتے آبِ فرات تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور پھر ان تمام مرحلوں کے باوجود فرائض خانگی خواتینِ حرم کی حفاظت، اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز اور پیارے اعزہ اور معصوم بچوں کی تجہیز و تکفین۔ غرضکہ شعبہ زندگی کی تمام ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے سربسجدہ شہید ہوتے ہیں۔ پھر بلحاظ نفسیاتِ اخلاق و زمانہ حاضرہ کمال کی بات یہ ہے۔ کہ ان تمام جانفشانیوں اور سرگرمیوں میں ریا و نمود منافقت دوررخی، ڈپلومیسی اور حیلہ جوئی، جھوٹے فریب۔ بیجا عقل آرائی اور ذاتی مفاد کے جراثیم کسی موقع پر بھی نہیں ملتے۔ جو کچھ کیا جا رہا ہے ایمان و عفاف، پاک باطنی و ایثار، عزم و توکل، حریت و استقلال، صبر و وقار کی پاکیزہ روشنی میں جس کو ایک معترض کے سمجھنے کے لئے بھی ایک طویل زمانہ چاہیئے۔

کسی موجودہ سیاستدان کے لئے توازنِ دماغ کا لفظ استعمال کرنا نہایت آسان ہے لیکن ذرا اپنے اوپر قیاس کر کے سوچیئے۔ اور خصوصیاتِ کربلا کو برطرف رکھکر اندازہ کیجئے۔ کہ آپ کے دل و دماغ کی اس وقت کیسی مضطربانہ حالت ہوتی ہے۔ جب آپ کے گھر میں صرف ایک لاش خواہ ماں باپ کی ہو۔ یا شوہر اور بیوی کی تجہیز و تکفین کے لئے پڑی ہو۔ اس وقت آپ کا دماغی توازن کس قدر صحیح ہوتا ہے۔ اور زندگی کے ذمہ دارانہ فرائض کا احساس کہاں تک باقی رہتا ہے۔ یہاں تو حضرت حسینؓ کے لئے ایک فرد معصوم نہیں۔ بلکہ خیمہ کے سامنے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے ہیں پھر قیامت یہ ہے۔ کہ انہیں کے اکثر جگر گوشے ہیں۔ اور آپ ہی اُن کی لاشوں کو اپنی پیٹھ پر ڈھو کر لے گئے ہیں غرض اذیت پر اذیت ہے صعوبت پر صعوبت ہے۔ ہر لمحہ گزرے ہوئے لمحہ سے زیادہ خونخوار اور ہر منٹ گزشتہ منٹ سے زیادہ مہلک نظر آتا ہے۔ لیکن یہ مردِ میدان تن تنہا بے یار و مددگار دشمنوں

Marfat.com

کے نرغہ کا شکار ہونے پر بھی اپنے عزم و ثبات اور توازنِ عقل میں ذرہ برابر متزلزل نہیں ہوتا۔ سر کٹنے کے وقت ہدایت کا مشن پورا کیا جاتا ہے۔ بلکہ دشمن کو عذابِ جہنّم سے بچانے کی کوشش ہے اور آنے والے کشت و خون کی پیشینگوئی کی جاتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں"[1]:-

"اے خواہ مخواہ کے دشمنو! کیا تم لوگ میرے قتل کے لئے جمع ہوئے ہو۔ خدا کی قسم میرے قتل سے خدا تعالیٰ بہت ناراض ہوگا۔ تم سرخرو نہیں ہو سکتے۔ بلکہ تم سے ایسا بدلہ لیا جائیگا۔ کہ تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔ خدا کی قسم اگر مجھے قتل کر ڈالو گے۔ تو تم میں خونریزی کا دروازہ کھل جائیگا۔ تم لوگ ناحق میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو نہ رنگو۔ دیکھو میں بے گناہ ہوں میرا قتل تم کو روا نہیں" ٭

خدا کی قسم میں ذلّت کے ساتھ نہ تمہارا مطیع ہونگا اور نہ غلام بنکر تمہاری امارت کا اقرار کرونگا" ٭

خلاصہ یہ کہ یہی ہے ایک کامیاب زندگی اور کامیاب موت اور کمال زندگانی کی ایک پاکیزہ اور مقدّس تصویر! اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد ٭ ؎

کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے قم باذن اللہ

---

[1] ابن خلدون ص۱۱۱ و ص۱۱۲ و ص۱۱۳ ٭

Marfat.com

علم و فضل

Marfat.com

علمؔ و فضل

علم چہ بود فرق دانستن حقے از باطلے
نے کتاب فرق شیطان جملہ از برداشتن

موجودہ علوم کے متعلق دنیا کا جو معیار ہے۔ اس کی تشریح بڑی تلخ داستان ہے۔ آج کل چند کتابوں یا فقروں اور شعروں کو پڑھ لینا اور رٹ لینا ہی مایۂ ناز سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسی علم دانی کو حقیقی علم کے وسیع سمندر کا ایک قطرہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ موجودہ فلسفۂ تعلیم کے لحاظ سے یہ تمام سرمغزن صرف اسی لئے ہوتی ہے۔ کہ دماغ کی دنیا میں کچھ چمک پیدا ہو جائے۔ بلکہ ریاضی و حساب، جغرافیہ و تاریخ، ادب و لسانیات سب کے سب اسی لئے پڑھائے جاتے ہیں کہ دنیاوی زندگی کے روزانہ اعمال و افعال سہولت کے ساتھ سرانجام پذیر ہوں۔ دنیا کا مشہور فلاسفر ٹالسٹائے ایسی تعلیم اور اس کے مفروضہ مقصد کا سخت مخالف ہے۔ پھر آج کل تو روشنی دماغ اور دنیوی منفعت کے لحاظ سے بھی موجودہ تعلیم نکمی ثابت ہو رہی ہے۔ نہ دین ہی ملتا ہے اور نہ دنیا۔ اسی فلسفوف کا خیال ہے۔ کہ تمام پروفیسر اور ڈاکٹر۔ عالم اور انجنیئر۔ اساتذہ اور لیڈر۔ وکیل اور بیرسٹر اپنے حاصل کردہ

لہ اس باب کی تکمیل کے سلسلہ میں مجھے چند محترم احباب کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ سب سے پہلے مسٹر احمد چھاگلا نے باب علم و فضل کے اضافہ کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد آقائے محترم شیخ محمد حسین نجفی مجتہد الاسلام نے اپنی کتابیں مستعار بھیجیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے عزیز دوست مولانا خطیب صاحب ام۔ اے نے کچھ کتابیں بہم پہنچائیں۔ سب سے اہم یہ کہ عزیزم عبدالستار صاحب نے دریا محل میں سکونِ قلب کا سامان مہیا کیا۔ اگر یہ اسباب مہیا نہ ہوتے۔ تو اس باب کی تکمیل سرِدست نہ ہو سکتی۔ بہرحال میں تہ دل سے اپنے احباب کا ممنون ہوں ۔ مخلص نکہت

Marfat.com

علوم سے جو فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ عام بنی انسان کے حق میں سخت مہلک بلکہ نظام عالم کی صحت پر ایک کاری ضرب ہے۔ یعنی کروڑوں انسانوں میں سے چند افراد صرف اس لئے روشن دماغ بنتے ہیں۔ کہ غریب اور جاہل مزدوروں اور خونِ جگر کھانے والے غریبوں کے دست و بازو کو اپنی ذاتی اغراض کی خاطر استعمال کریں۔ اور ان کو مساوات و انسانیت کے لحاظ سے وہ راحت کبھی میسر نہ ہونے دیں۔ جس کے یہ بیچارے انہیں کی طرح مستحق ہیں۔ غرض تمام دنیا کی سیاسی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے تو عزبت و امارت، محکومی و حکومت، بادشاہ و رعیت کی طول طویل داستان یا احساس کمتری (Inferiority Complex.) انہیں ظلم پسند روشن دماغوں کا حاصل ہوگی جو خود کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ مگر اپنے علم اور سائنس کے زور سے آرام زیادہ چاہتے ہیں۔ اور اپنا بوجھ دوسروں پر لاد کر مسرور ہیں۔ ٹالسٹائے کی یہ تنقید نہ صرف اس زمانہ میں قابلِ غور ہے۔ بلکہ صحیح راستہ پر چلنے والے مذاہب نے علوم و فنون کی تحصیل میں بھی ایسے علوم سے بچنے کی ہمیشہ ہدایت کی ہے جن میں کسب حلال نہ ہو، محض مادیت ہی مادیت ہو۔

یا جن کے ذریعہ سے دل کے سرجی چشمے اور حقیقت کے چھپے ہوئے راز منکشف نہ ہو سکیں۔ بالخصوص اسلام اس عقیدہ میں سب سے زیادہ پیش پیش ہے۔ یہ ہر اس مشغلہ کو جس میں ذاتی غرض کی بنا پر خلقِ خدا کا عظیم الشان نقصان ہو۔ ایک عذاب اور لعنت خیال کرتا ہے۔ مگر افسوس کہ اس کی ہدایات کی بھی عموماً غلط ترجمانی کی جاتی ہے۔

سُنئے اس حقیقت کو جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ اسلام ایسا روشن مذہب علوم و فنون کے معیار کو صرف چند کاغذی ڈپلوموں اور ڈگریوں یا اسی قسم کی شاطر دستی اور عیاری تک محدود نہیں

Marfat.com

کرسکتا جس کا مقصد دنیا سازی اور غریب طبقہ پر برتری ہو۔ اس کے علم کا دائرہ مادیت اور روحانیت دونوں پر محیط ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دونوں کے لئے مقررہ حدود ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اپنی روح تعلیم کے ماتحت علم لدنی یا حقیقت کو علم کتابی پر ہمیشہ ترجیح دی ہے۔ اور دیگر مادی علوم و فنون کی خواہ مشرقی ہوں یا مغربی اسی حد تک حوصلہ افزائی کی ہے۔ جہاں تک حوائج زندگی کے لحاظ سے ایک مہذب انسان کے لئے ضرورت ہے۔ قرآن مبارک کے اشارات اور آیتیں، رسولؐ اللہ کے مقدس فرمان اور احادیث کسی حیثیت سے علم الحیوانات و نباتات و جمادات یا اسی طرح سائنس و جغرافیہ و تاریخ و نجوم و ہیئت وغیرہ کے مخزن نہیں مانے جا سکتے۔ اور نہ بن سکتے ہیں۔ بلکہ انسانیت و شرافت کا نصاب اس قسم کی عیارانہ تعلیم اور سازش پسندی کے طریقوں سے بالکل علیحدہ ہے جس کا حاصل ۹۹ فی صدی صحت کی خرابی یا خللِ دماغ ہو۔ بے شبہ آپ کی پاکیزہ ترین دُعا "ربِّ زِدْنِی عِلْماً"[1] کے یہ معنی سمجھنا کہ آپ موجودہ دور کے بہترین سے بہترین ریسرچ ورکر (Resarch Worker) یا محقق بننا چاہتے تھے۔ آپ کی کسرِ شان ہی نہیں۔ بلکہ ایک زبردست گناہ سمجھئے۔ حضرت علیؓ و حسنینؓ و امام زین العابدینؓ و امام جعفر صادقؓ و دیگر ائمہ اطہار یا اسی طرح مختلف اسلامی شخصیتیں مثلاً امام غزالیؒ و شاہ ولی اللہؒ علم و فضل کے امام اُسی وقت بنے ہیں۔ جب کاغذی دنیا سے ہٹ کر روحانی سرچشموں سے مالا مال ہوئے۔ غرض علم کے صحیح مفہوم سمجھنے کے متعلق ہماری دُنیا یقیناً مغالطہ میں ہے۔ اور جس طرح ہر چیز مغربیت کے رنگ میں ڈوب رہی ہے مسلمانوں کا صحیح معیارِ علم بھی اسی مغرب زدگی کی نذر ہو رہا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے دل و دماغ کو یہ پہلی آواز تلخ

[1] اے خدا میرے علم میں اضافہ کر۔

Marfat.com

محسوس ہو۔ مگر علمِ حقیقی کی منفعت کے لحاظ سے اس تلخی کو بھی لازماً خوشگوار بنائیے۔ اور صحیح مرکز کی طرف قدم بڑھائیے۔

مقصود اس تبصرہ سے یہ ہے۔ کہ علمِ حقیقی کے مقابلہ میں آپ ان علوم و فنون کو زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ جو محض دنیا سازی اور دنیا بازی کا مظہر ہیں۔ آپ علمِ کتابی کے مفہوم سے یقیناً آشنا ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اس میں بھی ذرہ بھر شبہ نہیں۔ کہ علم روحانی یا لدنی آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں۔ فی الاصل یہی چیز انسانی سیرت کو کندن بناتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ انسانوں کے دل و دماغ کو اس چشمہ فطرت سے ملا دیتی ہے۔ جو صرف قرأت یا نیلے پیلے حرفوں تک محدود نہیں۔ دیکھئے رسول اللہ محض اُمّی تھے۔ دستخط کرنا بھی نہ جانتے تھے۔ یا اسی طرح تمام بزرگانِ ملت جن کو آپ سے علم سینہ و سفینہ ملا کتابی دنیا کے زبردست اسکالر نہ تھے۔ مگر یہ بزرگ جو چیز بنی نوعِ انسان کیلئے چھوڑ گئے وہ حقیقی علم اور جاودانی شاہراہ ہے۔ رسول اللہ کی بہترین میراث قرآن مبارک ہے۔ جس نے مُردہ قوموں کو مادی و روحانی حیثیت سے زندہ و صاحبِ سیرت بنایا۔ مگر آج ہم اس نسخہ کیمیا کو مغربی سائنس و علوم کے مقابلہ میں پسِ پُشت ڈالے ہوئے ہیں۔ اور فہم قرآن کے نام سے بھاگتے ہیں یہی باعث ہے۔ کہ ہماری اکثر اسکیمیں اس کی اصولی روشنی سے بے بہرہ ہیں۔ یورپ کا کانسٹی ٹیوشنل لاء یا آئین زندگی ہمارا دین و ایمان بنا ہوا ہے۔ اور دیدہ و دانستہ ایسا سنگین جُرم یقیناً قابلِ معافی نہیں جس قدر ہمارے قدم راہِ راست سے ہٹتے جائیں گے۔ اُسی قدر ہم اپنی گمراہی و تکالیف کے ذمہ دار بنیں گے۔ دیکھئے مولانا رومؒ نے مسئلہ تعلیم پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:-

از سخن گوئی مجوئید ارتفاع منتظر را بہ ز گفتن استماع

منصبِ تعلیم نوعے شہوتیست — ہر خیالے شہوتی در رہ تبیست
گر بہ فضلاش پے بہ بردے ہر فضول — کے فرستادے خدا چندیں رسول
عقل جزوی ہمچو برق است و درخش — در درخشی کے تواں شُد سوئے وخش
نیست نور برق بہر رہبری — بلکہ امر است ابر راکہ مے گری
برقِ عقل ما برائے گریہ است — تا بگرید نیستی در شوق ہست
خود خرد آنست کو حق آفرید — نے خرد کاں را عطارد آفرید

(ترجمہ) خالی باتوں کی دنیا سے بلندی و رفعت کے جویا نہ بنو! طالب علم کے لئے فضول بک بک سے سننا زیادہ بہتر ہے۔ یہ تعلیم کیا چیز ہے۔ ایک قسم کی شہوت یا خواہش۔ ایسی خواہش نفس ایک عارف کے لئے بت پرستی سے کم نہیں! اگر ہر معقولی علم خداوندی کے راز معلوم کر سکتا۔ تو پھر خدا پیغمبروں کو کس لئے بھیجتا۔ یہ ہماری جزوی عقل بجلی کی چمک کی طرح ہے۔ مگر اس کی چمک میں "منزل مقصود" پر کسی طرح نہیں پہنچ سکتے۔ یہ بجلی کی چمک اس لئے نہ سمجھو۔ کہ اس کی مدد سے رہبری ممکن ہے۔ نہیں یہ تو اس لئے ہے کہ ابر (یا طبع پرسوز و ساز) خوب برسنے لگے۔

ہماری عقل کی بجلی ہم کو اس دنیائے علم کی طرف لے جائے تو اچھا ہے۔ جہاں نیستی ہست سے بدل جاتی ہے۔ اصل میں عقل و خرد ہی شے لطیف ہے جس کو خدا نے پیدا کیا۔ یاد رکھو۔ جو علم قلم یا عطارد سے پیدا ہو۔ وہ حقیقی عقل و خرد کے دائرہ میں نہیں آتا"۔

Marfat.com

غرض سلسلۂ سخن میں بات کہاں سے کہاں پہنچ رہی ہے۔ اس تشریح کا مقصدِ خاص یہ تھا۔ کہ جب ہمیں رسولؐ گرامی اور حضرت علیؑ حضرت حسینؑ اور دیگر ائمہ اطہار کے علم و فضل پر نظر ڈالنا چاہئے۔ تو سب سے پہلے اپنے زاویۂ نگاہ کو درست کر لینا چاہئے ۔

علم بھی دوسری روشنیوں کی طرح ایک روشنی ہے۔ جس کو اربابِ بصیرت نے چار شعبوں میں تقسیم کیا ہے :-

(۱) آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان اور قوتِ مس کا علم یا روشنی جو کل حیوانات میں مشترک ہے۔

(۲) آفتاب و ماہتاب اور تاروں کی روشنی جس کی دنیا محتاج ہے ۔

(۳) دماغ و ادراک کی روشنی جو بلا آفتاب و ماہتاب کے بھی فیض پہنچاتی ہے ۔

(۴) عِلمِ لدُنّی یا حقیقت و معرفت کی روشنی جو قیدِ حیات و وقت سے بالا چیز ہے! اور تمام روشنیوں کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہے ۔

آخری درجہ برترین درجہ ہے، اور انبیاء و اولیاء اور مقربین خاص کا حصّہ ہے۔ چنانچہ ہم کو بھی آخری لحاظ سے حضرت حسینؑ کے علم و فضل کو دیکھنا چاہئے تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ آفتاب کو دیکھنے کے لئے آفتاب کی نگاہ چاہئے۔ ابھی ہم میں کے بیشتر افراد اس دنیا کے مبتدی بھی نہیں۔ اس لئے دیکھنا اور سمجھنا دونوں دشوار باتیں ہیں۔ اس باب میں ہم صرف دماغ کی روشنی سے بحث کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو یہ سمجھانے کے لئے کہ حضرت حسینؑ اپنی سرگرم عملی زندگی اور پُر جوش کارناموں یا فوجی قابلیتوں کے باوجود دُنیائے علم و فضل میں کس درجہ پر فائز تھے۔ کچھ اشارات پیش کرتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ اس قدر اندازہ کر لیں گے۔ کہ دنیا والے حضرت حسینؑ کی مذہبی و علمی اور

Marfat.com

عقلی و ذہنی عروج سے کس قدر نابلد ہیں۔ ہم نے نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے آپ کے علم و فضل کو چار شعبوں میں تقسیم کیا ہے یعنی :-

(۱) علمی و مذہبی حیثیت (۲) خطوط (۳) خطبات (۴) ذوقِ ادب و شاعری +

اور ان پر واجبی تبصرہ کے ساتھ یہ دکھایا ہے۔ کہ آپ حکمتِ نظری و عملی دونوں کے بہترین مظہر تھے۔ سو ا ایک مکتوب گرامی کے جو واقعات و جرأت اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہم نے ان تمام مکالمات و اقتباسات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جو شیعہ و سُنی حضرات کی خود ساختہ سیاسی کشمکش کے لئے محرک بن سکیں +

علمی و مذہبی حیثیت

محض عقیدتمندی کا سوال پیش نظر نہیں۔ بلکہ واقعات کے لحاظ سے یہ امر مسلم ہے کہ آپ مدینۃ العلم یا رسولِ گرامی کے گوشہ جگر ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند دلبند تھے۔ ایسے شفیق ماں باپ جو علم الٰہی کے امین ہوں۔ آپ کے سوا یہ امانت اور کسے دے سکتے تھے۔ آپ نہ صرف علمِ سینہ کے مالک تھے۔ جو علم لدنی کا ایک شعبہ ہے۔ بلکہ علمِ سفینہ کے بھی مخزن و منبع تھے۔ آپ کو اس دعوے کا ثبوت انہیں اوراق میں مل جائیگا۔ یوں تو آپ کو کسی خاص معلّم کی ضرورت نہ تھی۔ اور اکثر اہلِ علم اسی امر پر متفق ہیں۔ کہ آپ کا معلّم کوئی نہ تھا۔ مگر بعض حوالوں[1] میں حضرت علی عبدالرحمٰن سلمیٰ اور دیگر اصحابِ رسولؐ کو قرآن پڑھانے کے لئے آپ کا استاد بنایا گیا ہے

[1] مناقب ابی حنیفہ جلد ۱ صفحہ ۵۸ مطبوعہ حیدرآباد روایت محمد بن البزار الکراری +

Marfat.com

بہر نوع یہ بچپن کی باتیں سمجھئے۔ عالمِ شعور میں یا کاشانہ نبوت سے مستفید ہونے کے بعد آپ کا محبوب ترین مشغلہ روحانی و مادی علم و فضل کی اشاعت رہی ہے۔ حتیٰ کہ اکثر صحابی آپؓ سے استفاضہ فرماتے تھے۔ علوم حدیث و قرآن کے آپ زبردست ماہر تھے۔ اور اسی بنا پر علم احادیث و تفسیر و فقہ و ادب میں آپ کی بہت سی روایات باتفاق آرا مستند ترین خیال کی جاتی ہیں۔ ابن اثیر نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کا محبوب مشغلہ علم و فضل کی نشر و اشاعت تھی۔ اور جس مرتبہ اور جس عقل کا انسان آپ کے پاس جاتا تھا۔ اُس سے اُسی قسم کی گفتگو فرماتے تھے۔ یہ فیض عوام و خواص سب کے لئے عام تھا۔ انہیں ابن عمرؓ کا بیان ہے۔ کہ:۔

"حضرتِ[۱] حسینؓ و حسنؓ علم و فضل کا اسی طرح نشو و نما کرتے تھے۔ جیسا کہ کرنا چاہیے آپ کے پاس اکثر لوگ جاتے تھے۔ اور جو کچھ آپ فرماتے تھے۔ اس کو سُنکر مقدس روایات و بیانات کی حیثیت سے محفوظ کر لیتے تھے"۔

پھر یہ بھی آپ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ حضرت زین العابدینؒ و امام باقرؒ و امام جعفر صادقؒ حضرت حسینؓ ہی کے فرزند دلبند تھے۔ ایک فرزند ارجمند تھے تو دوسرے پوتے اور پرپوتے۔ ان بزرگانِ ملت کی علمی حیثیت آفتابِ درخشاں کی طرح ہے۔ جن کی دوسری نظیر دنیائے اسلام نے نہیں پیدا کی۔ یہ تینوں امام حضرت حسینؓ ہی کی تعلیمات سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ تمام دنیائے اسلام کا علم سفینہ و سفینہ انہیں افراد کا باجگزار ہے۔ آج بھی دنیائے اسلام میں بے شمار فرقے ہیں۔ اور ان کا قانون و آئین زندگی علحدہ علحدہ ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ یہ سب کے

---

[۱] فی النہایۃ۔ الحسین صفحہ ۱۳۳

Marfat.com

سب حضرت امام زین العابدینؑ اور امام باقرؑ و جعفر صادقؑ ہی سے منسوب ہوتے ہیں۔ میرا مقصود یہ ہے کہ یہ میراثِ علم جو دنیا کے لئے موجبِ ہدایت یا علم کے لئے شمع تاباں بنی۔ اس کا سرچشمہ حضرت حسینؑ ہی کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ حضرت زین العابدینؑ کے معلّم و استاد و مربی والدِ بزرگوار تھے۔ اگر آپ ہی کی ذاتِ گرامی علم کے روحانی و ذہنی خزینوں کی مالک نہ ہوتی۔ تو یہ میراثِ فضل ہم تک کیونکر پہنچتی۔ اصل میں اس قسم کے تمام علوم و فنون کا سہرا بھی حضرتِ امامؑ ہی کے سر ہے۔ جن کو دنیا صرف تلوار کا دھنی سمجھے ہوئے ہے۔ حضرات شیعہ میں ایک نہیں بہت سے طبقوں مثلاً اسماعیلیہ۔ زیدیہ۔ امامیہ وغیرہ کا تمام قانون فقہ اور قانونِ زندگی آپ ہی کے کلمات و روایات سے منسوب ہے جو اپنے اندر انتہا کی جامعیت اور آئینی صلاحیت رکھتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں بہت سے امام ہیں۔ جو بجائے خود اپنی اپنی جماعتوں کے امام تھے اور ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

"آپ[1] کے سب سے پہلے شیخ یا رہنما حضرت جعفرؑ محمد بن باقرؑ تھے"۔

اسی طرح دیگر ائمہ کا حال ہے۔ جو انہیں اہلبیت اطہار کے خوشہ چین ہیں اور اپنے مستقل اسکولوں اور دنیائے علم کے رہنما ہونے کے باوجود حضرت حسینؑ و حضرت علیؑ کو خراجِ عقیدت ادا کرتے ہیں مقصود اس تفصیل سے یہ ہے۔ کہ آپ حضرت امام کی علمی و مذہبی حیثیت سے واقف ہو سکیں۔ بعض مورخوں[2] نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت حسینؑ علوم الٰہی کے علاوہ دوسرے علوم و فنون سے بھی واقف تھے۔ چنانچہ علم جفر و نجوم اور اس کی مختلف شاخوں کا تذکرہ بھی جا بجا ملتا ہے۔ بلکہ بہت سے راوی آپ کی ذات کو ان علوم کا بہترین ماہر مانتے ہیں۔ چنانچہ ایک کتاب مصر کے کتب خانہ میں

---

[1] مناقب امام اعظم طبع حیدرآباد جلد اول صفحہ ۳۹ [2] حوالہ الحسین صفحہ ۱۴۹

Marfat.com

اب بھی محفوظ ہے جس کا نام الجفر الجامع والنور الساطع ہے۔ باختلاف روایات بعض لوگ انھیں اہلبیت اطہار سے اسے منسوب کرتے ہیں۔ بہر نوع اس فن کے شریف ہونے میں شک وشبہ نہیں۔ بلکہ محی الدین عربی اندلسی کی رائے ہے۔ کہ اسی میں غیب کے اسرار لوح وقلم کے رموز، قضاء قدر کے پوشیدہ ملنا ور لوح وقلم کے پوشیدہ خزانے مل سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض مبالغہ پسند اصحاب نے اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا[1] میں علم کی تشریح اسی فن جفر سے کی ہے۔ مگر یہ باتیں مبالغہ سے خالی نہیں۔ اہلبیتِ اطہار کے فضل وکمال کو مدِّ نظر رکھکر علم جفر و نجوم کو اتنی اہمیت دینا یقیناً بے سود ہے۔ اسی بنا پر ابن تیمیہ اور ابن خلدون ایسے مستند مورخ وعلما نے ان علوم کو آپ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ بلکہ اس قسم کی تمام روایات کو غیر مستند بتایا ہے ۔

تمام مورخ اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کا اندازِ کلام نہایت شیریں اور پاکیزہ ہوتا تھا۔ بیان سوز وساز کا مظہر تھا۔ جوش کے وقت جوش اور نرمی کے وقت انتہائی نرمی آپ کا شعار تھا۔ آپ کی نصیحتیں آمد سے لبریز بلکہ عملی تبلیغ کا مخزن ہوتی تھیں ۔

خطوط

تنوع کے لحاظ سے آپ کے خطوط اور خطبے، اشعار اور نظمیں، پند ونصائح دنیائے علم کے بہترین سرمایہ ہیں۔ مگر افسوس کہ ابھی تک ان بیش قیمت جواہرات کو صحیح تبصرہ و تنقید کے ساتھ یکجا نہیں کیا گیا۔ مختلف کتابوں میں کچھ نہ کچھ ملتا ہے۔ وہ بھی بلا تشریح۔ پھر مصیبت یہ ہے کہ اکثر افراد عربی زبان سے ناآشنا ہیں۔ اس لئے ان خطوط یا سیاسی مکاتبت کو سمجھنے کی زحمت کون گوارا کرے۔ کاشکہ یہ کام اعلیٰ پیمانہ پر ہو سکتا۔ اور موجودہ زندگی کی روشنی میں تبصرہ کے

---

[1] میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں ۔

Marfat.com

ساتھ ان کو پیش کیا جاتا۔ آپ کے مکتوبات میں حضرت حسنؓ واہل کوفہ و بصرہ اور امیر معاویہؓ سے خطاب کیا گیا ہے لیکچروں میں بیعت یزید کے خلاف یا میدان کربلا کے خاص خطبے قابل اظہار رہیں۔ ہم اس باب میں ان کا ضروری خلاصہ ضرور درج کر دینگے مگر صرف اسی حد تک کہ آپ کے جوش بیان اور جرأت اخلاق کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ کچھ خطوط پہلے بھی گزر چکے ہیں جن کا اعادہ یہاں ناموزوں ہوگا۔ مندرجہ ذیل خط حضرت معاویہ کے نام لکھا گیا ہے! در موضوع سخن بیعت یزید ہے اس کو پڑھکر یہ جاننے کی ضرورت ہے۔ کہ امیر معاویہؓ کی شخصی حکومت کے مقابلہ میں یہ آواز کس شیر دل انسان کی ہو سکتی ہے۔ اور آج کروڑوں مسلمانوں میں اپنے ظالم آقاؤں کے خلاف کتنی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ سنئے اور درس عبرت حاصل کیجئے:۔

"اے امیر معاویہؓ[1]! تم کو جاننا چاہیئے۔ کہ خدا کے پاس ایک ایسا رجسٹر ہے جس میں چھوٹا بڑا کوئی گناہ ایسا نہیں۔ جو نظر انداز کیا جائے یا نہ لکھا جائے! اللہ تعالیٰ تمہاری بدظنی اور برے خیالات کو نہیں بھلائے گا۔ اس کے جن دوستوں کو تہمت لگا کر قتل کیا گیا ہے۔ یا جن کو اپنے عزیز وطن سے جلاوطن کیا گیا ہے۔ یا اپنے لڑکے کے لئے تمہاری یہ بیعت اور اس کے لئے مواخذہ ہرگز نظر انداز نہیں ہو سکتا۔ یہ تمہارا فرزند وہی ہے جس کا نشو و نما شراب اور کتوں کے ساتھ کھیل کود میں ہوا ہے۔ اے امیر معاویہ یقین جانو تمہارے رویہ نے تم کو خسارہ میں ڈال دیا ہے۔ تم نے اپنے دین کو ختم کر دیا۔ تم نے اپنی رعیت کو

[1] تاریخ کبیر صفحہ ۳۲۳ حوالہ ابن عساکر ۔

Marfat.com

دھوکا دیا۔ تم نے امانت کو خیانت سے آلودہ کر دیا۔ تم ذلیل جاہلوں کی باتیں سنتے ہو اور پاکباز اور باضمیر اصحاب تمہاری مجلس میں خوف کی وجہ سے نہیں بول سکتے۔

دنیائے سیاست کے مدعی ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھکر دیکھیں اور سوچیں کہ وہ اسلامی مفاد کی حفاظت اور خدا کی راہ میں سرفروشی کے لحاظ سے کتنے پانی میں ہیں! کیا ان میں کوئی رہنمائے ملت بھی اس قدر صاف دل اور ایمان دار سیاست دان مل سکتا ہے۔ جو منافقت کو دین و ایمان نہ سمجھ کر ظاہری و باطنی دونوں رنگوں میں پورا اتر سکے۔ کاشکہ ایسی نظیریں آج بھی مل سکیں اور آئینی تحفظ اور قانونی جنگ اپنی دلی کمزوریوں کے لئے حیلہ حوالہ نہ بنے!

غالباً امر بالمعروف ونہی المنکر کو سمجھانے کے لئے دنیائے تاریخ میں ایسی نظیریں بہت کم ملیں گی۔ آج ہمارے جی حضوری اس جرأت اخلاق، مخلصانہ جذبہ اصلاح اور تنقید کے صحیح مفہوم سے بالکل نابلد ہیں۔ اور خدمتِ قوم کے بجائے تخریبِ قوم کا سبب بنتے ہیں۔ سچ ہے

سرمد غم عشق بوالہوس را نہ دہند　　ذوقِ غم پروانہ مگس را نہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار　　ایں نعمتِ سرمد ہمہ کس را نہ دہند

اس خط میں ایک چیز اور بھی غور طلب ہے۔ یعنی آج کسی پرنس یا ولیعہد کے خلاف ایسی تلخ باتیں کوئی بادشاہ نہیں سن سکتا۔ بلکہ بردباری کے مدعی خواہ یورپ والے ہوں یا ایشیائی ایسی آزادی خیال کا جواب پریس ایکٹ یا دوسرے سخت گیر قوانین سے دیتے ہیں مگر اس وقت کی اسلامی حکومت نے ان باتوں کو سنا اور ضرور سنا۔ بلکہ حضرت حسینؓ کے خلاف امیر معاویہؓ کی زندگی تک کوئی قانونی حربہ نہیں استعمال کیا گیا۔ یہ سیاسی رواداری مسلمانوں کے اصولِ سیاست

حضرت امام حسن علیہ السلام کو معاویہ نے زہر سے شہید کرا دیا
ایسا حربہ خود استعمال کیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام

Marfat.com

کو موجودہ دورِ حکومت سے یقیناً بہترین ثابت کرسکتی ہے۔ شرط یہی ہے کہ اس مسئلہ پر غور کرنے والوں کے دماغ میں تعصب اور سیاسی بغض کے زہریلے جراثیم یا اسلامی کلچر سے نفرت نہ موجود ہو۔

خطبات

اچھّا اب ذرا خطبوں کی طرف متوجہ ہو جیئے۔ قومِ عرب کی مابہ ناز چیز یہی ہے یہ لوگ امی ہونے کے باوجود فی البدیہہ تقریر کرتے تھے۔ اور برجستگی بیان اور فصاحت و بلاغت کی دنیا میں تمام دوسری قوموں سے برتر و فائق تھے۔ اُنہوں نے اپنے تمام ہمسایہ ملکوں اور قوموں کو عجم کا خطاب دے رکھا تھا۔ یعنی یہ سب گونگے ہیں۔ اور نطق و گفتار صرف عربوں کا حصّہ ہے۔ اب خدا جانے قوم عرب کا یہ حال ہے یا نہیں۔ مگر ہاں پچھلے دور میں اُن کے زورِ بیان کی بہت سی نظیریں تاریخوں میں درج ہیں۔ میں نے ہندوستان میں بعض عربوں کو دیکھا ہے کہ وہ کاغذوں پر لکھکر تقریریں کرتے ہیں۔ اس لئے اندازہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ؏

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

بہرنوع یہ مسلّم ہے۔ کہ گزشتہ دور میں نخلستان کے بدوی بھی قدرت کی دی ہوئی فصاحت اور ادبی ذوق سے مالامال تھے۔ اور جب چہکنے لگتے تھے۔ تو اپنی فضائے زندگی اور جغرافیہ کے لحاظ سے عربی پھول یا پُرحلاوت کھجوریں برساتے تھے۔ حضرتِ علیؑ و حضرت زین العابدینؑ و دیگر بزرگانِ ملت کے خطبے پڑھئے۔ تو یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ دل پر کیفیتِ وجد طاری ہو رہی ہے اور ایک رموزِ فطرت کا نباض پستی سے بلندی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ یہی حال حضرت حسینؑ کا ہے۔ ہم ان خطبوں کے علاوہ جو پچھلے ابواب میں آچکے ہیں۔ اس باب میں چند خطبوں کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ یہ

تراجم مکمل نہیں ہیں۔ بلکہ حسبِ ضرورت کچھ انتخابات ہیں۔ جن کے چند فقروں پر تبصرہ بھی کر دیا گیا ہے۔ تاکہ سمجھنے والے اگر زیادہ نہیں تو کچھ نہ کچھ سمجھ سکیں۔ ورنہ یہ کام ایک مستقل کتاب چاہتا ہے اور "حسینؓ ابن علیؓ" ایسی مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ تمام خطبوں اور اشعار کا ترجمہ صرف اس لئے درج ہے۔ کہ عربی نہ جاننے والے اصحاب بھی حضرت امام کی ادبی و علمی حیثیت کو سمجھ سکیں۔ اور پھر مطالعہ کے بعد کچھ نہ کچھ مل سکے +

اچھا اب سب سے پہلے نفسیات و قانونِ زندگی کے لحاظ سے ایک پاکیزہ خطبہ پر نظر ڈالئے۔ اس میں ایک انسان کے لئے زندگی کے عملی پہلو ملتے ہیں۔ اور وسعتِ مضامین و ارتقائے خیال کے لحاظ سے آج کل کی دُنیا کے لئے بھی ایسے ہی قابلِ عمل ہیں۔ جیسے کہ ایک ہزار برس پہلے تھے۔ میری رائے میں انسانی فطرت کی رمز شناسی اسی چیز کا نام ہے۔ کہ جو کچھ کہا جائے وہ ہمہ گیر خیال کے ماتحت ہو۔ اور مقامی فضا اور محدود ماحول اثرات اس کی روح کو نہ مٹا سکیں اگر آپ ان اصولوں میں سے چند اصول بھی اپنے لئے اختیار کر لیں گے۔ تو بے شمار مکروہات اور خود ساختہ مصائب سے یقینی نجات ہو سکتی ہے۔ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں۔ کہ :-

(۱) اے[1] خدا کے بندو۔ جب تم یہ سنو کہ فلاں شخص کسی کی آبرو لینا چاہتا ہے۔ تو سب سے بہتر حفاظت یہی ہے۔ کہ ایسا خطرناک آدمی تم کو پہچاننے ہی نہ پائے دیکھو دوسروں کے ننگ و ناموس کو خاک میں ملانے والے صرف وہی ہو سکتے ہیں۔ جو تم سے اور تمہارے امور سے واقف ہوں +

---

[1] یاقوت المستعصمی اسرار الحکما صفحہ ۹۰ +

Marfat.com

(۲) جس کام کو پورا کرنے کی تم میں قوت نہ ہو۔ اُس کی ذمہ داری اپنے سر ہرگز نہ لو ٭

(۳) اور اس چیز کے درپے کبھی نہ ہو۔ جس کو تم نہ سمجھ سکتے ہو اور نہ پا سکتے ہو ٭

(۴) ایسا وعدہ کبھی نہ کرو۔ جس کو تم پورا نہ کر سکو ٭

(۵) اپنے فائدہ اور ضرورت کے لحاظ سے خرچ کرو ٭

(۶) اور اپنے کام سے زیادہ بدلے اور جزا کی امید ہرگز نہ رکھو ٭

(۷) بہترین سکون یہ ہے۔ کہ خدا کی طاعت پر خوش رہو ٭

(۸) جس کام کی اہلیت نہیں رکھتے ہو۔ اس کا بار ہرگز نہ اٹھاؤ ٭

ایک خطبہ ختم ہوا۔ مگر مجھے وثوق نہیں۔ کہ آپ اس کی روح کو موجودہ فضائے زندگی کے لحاظ سے بھی سمجھ گئے۔ جسارت معاف۔ کچھ اشارات سنئے اور پھر غور فرمایئے۔ پہلا ٹکڑا اگر انسان کے لئے مرکزِ عمل بن سکے۔ تو حفاظت ننگ و ناموس اور حسنِ تدبیر کا مکمل قانون ہے نفسیات و فلسفۂ اخلاق کی تمام کتابیں پڑھنے کے بعد بھی آپ اس کے دائرہ سے باہر نہ جا سکیں گے۔ دوسرا فقرہ یعنی جس کام کو پورا کرنے کی تم میں قوت نہ ہو۔ اس کی ذمہ داری اپنے سر نہ لو"۔ دنیا کے نباہ اور سچی عزت یا احساسِ ذمہ داری کا وہ بہترین اصول ہے۔ جس کے بغیر دنیا میں کوئی فرد معزز اور خلقِ خدا کا سچا خادم نہ بن سکا۔ تیسری نصیحت ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو سعی لاحاصل میں الجھنے ہیں اور شیخ چلی کے منصوبوں کے مالک ہیں۔ یعنی خصوصیت کے ساتھ انہیں چیزوں کے درپے ہوتے ہیں۔ جو نہ خود سمجھتے ہیں۔ اور نہ سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ میرے زاویہ نگاہ سے دنیا

Marfat.com

اگر اس اصول پر چلنے لگے اور اپنی سمجھ اور قوتِ ادراک کی حدود کو سمجھ لے تو پھر "صراط مستقیم" سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں رہتی۔ یہی حال چوتھے فقرے کا ہے۔ جس کے بغیر انسان عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ جو لوگ جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ وہ ایک نہ ایک دن یقیناً ذلیل ہوتے ہیں۔ پانچواں فقرہ کہ "اپنے فائدہ اور ضرورت کے لحاظ سے خرچ کرو" دنیا کے موجودہ قانونِ اقتصاد و نظریہ افادیت کا لبِ لباب ہے۔ اسی طرح چھٹا زریں اصول سرمایہ و مزدور کی تلخ ترین کشمکش کو فنا کر دینے والا ڈائنامیٹ ہے۔ تمام ہنگامے اور طوفان صرف اسی کمزوری پر مبنی ہیں۔ کہ مزدور، سرمایہ دار، زمیندار و کاشتکار ابھی تک یہی نہ سمجھ سکے۔ کہ کام سے زیادہ اجرت یا مزدوری سے کم معاوضہ تمام کشاکش کی جڑ ہے۔ اسی طرح یہ نظریہ دنیائے روحانیت میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ نجاتِ اخروی ہمارے نیک اعمال ہی کے مطابق نصیب ہو سکتی ہے۔ ورنہ ہمارا خیال دھوکا اور فریبِ نفس ہے۔ ساتواں فقرہ تمام فلسفۂ مذاہب کا نچوڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسرت اور اصلی مسرت سوا خدا کی اطاعت کے اور کسی طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتی! اور ہر موذی سے موذی اور سرکش سے سرکش انسان اپنے آخری دور میں افتاد پر افتاد اور ٹھوکر پر ٹھوکر کھانے کے بعد اسی خیال اور اسی مرکز کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ نمبر آٹھ اُن غداروں اور بدباطن منافقوں کے لئے درسِ عبرت ہے۔ جو نظامِ عالم کی خرابی کے ذمہ دار ہیں۔ اور کم سواد اور کم بساط ہونے کے باوجود ناجائز طور پر دنیا کے خزانوں اور قوتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی حدود ایماندارانہ اشتراکیت سے ملتی ہیں۔ جس کا سیلاب اُٹھ رہا ہے۔ اور خدا جانے دنیا کو کہاں لے جائیگا۔

Marfat.com

بہر نوع یہ اشارات تھے۔ اہلِ نظر کے نزدیک ان مختصر اور جامع الفاظ میں ابھی بہت کچھ پنہاں ہے۔ اور ان سب کو حقیقی طور پر اسی وقت سمجھا جا سکتا ہے۔ جب ان پر عمل کر کے دیکھا جائے۔ کیا میں اسی سلسلۂ سخن کے ماتحت یہ پوچھ سکتا ہوں۔ کہ انسانی سیرت کے لئے خواہ اسی دور کی ہو یا کسی اور کی۔ ان اصولوں سے بہتر اور عمل کے قابل کوئی اور اصول پیش کئے گئے ہیں؟ یا انسانوں کی قوتِ ضمیر کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ تمدنی علائق اور دنیوی مکروہات کو نباہنے کے لئے کوئی اور قوانین بنائے جا سکتے ہیں۔ غالباً نہیں! تو پھر اسی سلسلہ میں اس حقیقت کو بھی ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ وہ دماغ جو اس مختصر سی تقریر میں ایسے جامع اصولِ زندگی فی البدیہہ بیان کر سکتا ہو۔ وہ کتنا روشن خیال۔ کس قدر ترقی یافتہ اور کس قسم کا آئینۂ روشن ہوگا۔ جواہرات بہت ہیں اور قدردان کم! اب ذرا فلسفۂ اخلاق کی کچھ باتیں سنیئے یہ انہیں بزرگانِ ملت کا ورثہ ہیں۔ جو دنیا کی اصلاح اور فطرتِ انسانی کے نبّاض ہوتے ہیں۔ اس خطبہ میں حلم و مروّت اور صلہ رحمی پر زور دیا گیا ہے۔ جو حیوانیت اور انسانیت میں حدِّ فاصل ہے۔ بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ مگر انہیں میں بڑے بڑے نکات پنہاں ہیں۔ بقول خیام ؏

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

آپ فرماتے ہیں:-

"حلم[1] یا بردباری انسانی سیرت کو آراستہ بناتی ہے"۔

ایفاء وعدہ ہی مروّت ہے۔

---

[1] ریاض الجنان صفحہ ۲۵۴ والحسین صفحہ ۱۷۷۔

Marfat.com

صلہ رحمی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ جس میں یہ نہ ہو۔ وہ انسان نہیں ٭
حرص اور کسی چیز میں زیادہ طلبی بُری ہی نہیں بلکہ مہلک ہے ٭
جلد بازی اور جلدی حماقت کا مظہر ہیں۔ اور حماقت انسان کی بدترین کمزوری ہے ٭

ناجائز انتہا پسندی سرتاسر تباہی ہے ٭

ذلیل و پست فطرت لوگوں کی صحبت برائی کا مرکز ہے۔ اور فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست خود تمہاری سیرت کو مشکوک بنا دیتی ہے" ٭

خط کشیدہ فقرے میں " انتہا پسندی" کو تباہی بتا نا ماضی و حال کے واقعات پر ایک ایسی پاکیزہ تنقید ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ دماغ انسانی کا منتہائے پرواز یا "انتہا پسندی" افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ اگر آپ قوموں اور سلطنتوں۔ دنیا کی شخصیتوں اور سیرتوں پر ایک تاریخی نظر ڈالیں گے۔ تو ان کی ذلت و ادبار، اور تباہی و بربادی کا سرچشمہ زیادہ تر جذبات کی دُنیا سے وابستہ پائینگے۔ یہ جذبات ہمیشہ عارضی ہوتے ہیں اور ان کے نشیب و فراز مختلف اثرات کے ساتھ ساتھ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ جو لوگ یہی نہ سمجھ سکیں۔ کہ ان کے مزاج اور دماغ کا ٹمپریچر کس ڈگری پر ہے اور کتنا اونچا ہونا چاہئے۔ وہ اپنی اسکیموں منصوبوں یا قوم و ملک کے زوال کو خاک سمجھ سکیں گے۔ ان کا تباہ ہونا بالکل یقینی ہے۔ اور اس لئے قانون فطرت کے اٹل قانون نے اسی قسم کے انتہا پسندوں یا جذبات سیلاب میں بہنے والوں کو ہمیشہ تباہ کیا۔ اور تباہ کرتا رہیگا ٭

Marfat.com

اچھا اب ایک اور خطبہ سنئے۔ یہ بھی سرتاسر نفسیات و اخلاق کا پاکیزہ شاہکار ہے۔ اور فطرت انسانی اس کی مخاطب ہے :۔

اے[1] لوگو! نیکیوں کی طرف رغبت کرو اور مواقع کے لحاظ سے جلد سے جلد فائدہ اُٹھاؤ۔ انہیں ہرگز نظر انداز نہ کرو۔

اگر تعریف و توصیف اور عظمت و بزرگی کے طالب ہو۔ تو اس کے حصول کا بہترین ذریعہ سخاوت اور نیک عمل ہیں۔

دیکھو! ایک اچھا فعل خود بخود تعریف کا مستحق بنا دیتا ہے۔ اور نیک انجام خود بخود اس کے ساتھ چلتا ہے۔

ہاں سردار وہی شخص بن سکتا ہے جو جد و جہد کرتا ہے۔

جو شخص بخل کرتا ہے وہ یقیناً ذلیل ہوتا ہے۔

کیا تم جانتے ہو۔ سب سے زیادہ فیاض شخص کون ہے؟ صرف وہی جو سلوک بھی کرے تو ایسے لوگوں کے ساتھ جن سے اسے کوئی امید اور آسرا نہ ہو۔

دیکھو تم جانتے ہو۔ کہ سب سے زیادہ معاف کرنے والا کون ہے؟ صرف وہی جو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہو مگر پھر بھی معاف کر دے۔

اسی طرح سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے۔ جو اپنے قطع تعلق رکھنے والوں سے بھی صلہ رحمی کرے"۔

---

[1] تاریخ کبیر حوالہ ابن عساکر صفحہ ۳۳۳

Marfat.com

مجھے یقین ہے کہ جب تک ان جواہر ریزوں کی چمک دمک عقل کی تیز روشنی میں نہ ملاحظہ کی جائے گی۔ آپ واجبی طور پر محظوظ و مستفید نہ ہونگے۔ اس لئے کہ لفظوں کو سمجھنا آسان ہے۔ مگر اُن کی روح کو فضائے زندگی کے مطابق بنانا اور دلوں کو متاثر کرنا۔ یا اس کسوٹی پر کھوٹے اور کھرے کو پرکھنا ذرا دشوار ہوتا ہے۔ پھر بھی میں نے بعض فقروں کو اشارتاً خط کشیدہ بنا دیا ہے۔ ان پر زمانہ حاضرہ کے لحاظ سے خاص طور پر غور فرمایئے۔ اور سمجھئے کہ ہماری زندگی میں مواقع اور وقت کی اہمیت کس قدر ہے؟ جاہ و عزت کو طلب کرنے کے لئے صحیح راستہ کونسا ہے؟ کسی قوم کا لیڈر کس طرح بنتا ہے؟ فیاضی و اخلاق کا بلند ترین رتبہ کس منزل پر ہے؟ اور انسان ان بلندیوں پر کس طرح پہنچ سکتا ہے؟

اب ایک اور خاص خطبہ سنئے۔ جو آپ نے اپنی شہادت کے روز فرمایا۔ اس میدان کربلا کے ہم اور خطبے بھی نقل کر چکے ہیں۔ اس میں دنیا کی بے ثباتی اور موت و زندگی کی حقیقت پر تبصرہ ہے۔ بالخصوص بے ثباتی عالم پر مشرقی زبانوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر یہ سب فنی کاوشوں کے بعد مرتب ہوا ہے۔ حضرت حسینؑ کے ارشادات فی البدیہہ باتیں ہیں۔ اور وہ بھی اس نازک وقت اور پُر مصائب فضا میں جس کے تصور سے مضبوط دل و دماغ والے انسان آج بھی لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ یہ نصائح ایک ایسے پاکیزہ انسان کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ جس نے گرم و سرد زمانہ کو نظامی و عسکری زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے اور عنقریب جامِ شہادت نوش کرنے والا ہے۔ اس تقریر کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ میدان کربلا کے جانکاہ مصائب کے باوجود مایوسی و افسوس اور سوز و گداز کا پتہ نہیں۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے

Marfat.com

کہ خدا کا ایک سپاہی رموزِ فطرت سے آشنا ہو چکا ہے۔ وہ انسانیت و شرافت کی دنیا پر حکومت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اُس نے دنیائے رنگ و بو کو بالکل صحیح انداز کے ماتحت سمجھا ہے۔ اور عین الیقین کی روشنی میں موت سے کھیلتا ہوا ہنسی خوشی یا راضی برضا رخصت ہو رہا ہے۔

حضرت امامؑ دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"خداؐ کی حمد و ثنا کے بعد! اے خدا کے بندو۔ خدا کے محاسبہ سے ڈرو اور دنیا کی خرافات سے بچتے رہو۔ اگر یہ دنیا کسی کے لئے باقی رہتی یا اس میں کوئی شخص باقی رہتا۔ تو انبیاء علیہم السلام یہاں کی دوامی زندگی کے مستحق ترین فرد تھے۔ بلکہ یہی افراد خدا کی طرف سے دلجوئی کے سب سے زیادہ لائق اور اس کی بخششوں کے فیضان اور استفادہ کے لئے اہل تر بن سکتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس دنیا کو خدا نے آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس کی تمام مخلوقات کے لئے فنا ہے۔ دیکھو! یہاں کی ہر چیز پرانی ہونے والی ہے اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ اس کی مسرت و خوشی مٹنے والی چیز ہے خوب سمجھ لو۔ کہ تم کو اپنی منزل پر پہنچنا لازمی ہے۔ اور یہ مادی گھروندا عارضی ہے۔ ہاں اپنے آئندہ سفر کے لئے توشہ بناؤ۔ بہترین زادِ راہ تقویٰ اور نیکی ہے۔ خدا سے ڈرو۔ تاکہ تمہیں فلاح و نجات نصیب ہو"۔

اس اسپیچ میں سے میں صرف ایک فقرہ کی طرف کچھ اشارہ کرتا ہوں۔ یعنی "اس دنیا

لہ تاریخ کبیر صفحہ ۳۳۳۔ از ابن عساکر۔

کو آزمائش کے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔ یہ آزمائش کا عقیدہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں بہت سے مغرب زدہ دماغ الجھے ہوئے ہیں۔ اور وہ نہیں سمجھ سکتے۔ کہ یہ آزمائش کیسی ہے اور عالمِ بصیر خدا کے لئے کیوں ضروری ہے ؟ اوّل تو مفہوم آزمائش کو نہ سمجھنے کی بنا پر خدا کی بصیرت و علم پر چون وچرا بجائے خود مضحکہ انگیز اعتراض ہے۔ پھر آزمائش کی دلیل پر علمِ خداوندی کا انحصار نہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کو یکجا نہیں کیا جا سکتا۔ بہر نوع آپ اس ابتلا کے مفہوم کو علمِ الٰہی میں کسی قسم کا اضافہ نہ سمجھئے۔ بلکہ اس طرزِ بیان کا مقصد یہ ہے۔ کہ زندگی ایک ارتقائی دائرہ کا نام ہے۔ خواہ اسفل سے اعلیٰ کی طرف ہو۔ یا اس کے برعکس یہ دونوں حرکتیں بجائے خود انسانی دلچسپیوں کا مظہر ہیں۔ اگر سفید و سیاہ، رنج و خوشی، نور و ظلمت یا اس فضا میں کشاکش اضداد نہ ہو۔ تو مسرت یا حزن کی دنیا جو زندگی کو زندگی بناتی ہے۔ بالکل بیکار و بدمزہ بن جاتی ہے۔ انسانی مشین جدوجہد کی مخزن ہے۔ علم کے لحاظ سے نہیں بلکہ خدا کی صفت کمال کے لحاظ سے یہی مشین عضوِ معطّل بنا دی جائے۔ تو پھر آدم زاد انسان کس طرح رہے۔ یہ آزمائش جس کی طرف حضرت حسینؑ نے اشارہ کیا ہے۔ اسی قسم کی آزمائش ہے جو ایک مشین بنانے والا قدرتاً چاہتا ہے۔ ورنہ بنانے کا حاصل کچھ نہ ہوتا ؟ دنیا میں پاک و ناپاک، اچھی اور بُری دونوں چیزیں برسرِ کار ہیں۔ اور لطفِ زندگی کو بڑھانے کے لئے دونوں کا وجود یکساں طور پر لازمی ہے۔ اسی لئے انسانی دماغ کو خصوصاً اور دیگر حیوانات کو عموماً ایک قسم کا شعور یا (instinct) عطا کیا گیا ہے۔ جو ہر ہر قدم پر استعمال ہوتا ہے اور مشین کی قابلیت و مہارت کو بے شمار منفعتوں کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ یہی آزمائش مخلوقات کے

Marfat.com

لئے باعثِ برکت ہے۔ اور اسی کو قرآن مبارک میں بھی وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیا یہ ظلم نہ ہوگا۔ کہ انسان ایسی مشین کو جس میں ہزاروں بیش بہا قوتیں اور پُرزے کام کر رہے ہیں۔ یونہی بے کار چھوڑ دے ۔ اور پھر انسان اپنے جمود کی بنا پر خود اپنے خالق کو نہ پہچان سکے۔ دنیا کے نظام کا امین نہ ہو۔ اور اشرف المخلوقات بنکر محض سنگِ راہ بننا گوارا کرے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ انسان اپنی ساخت و فطرت کے لحاظ سے خدا کی صفات کا پرتو مانا گیا ہے۔ اور روحانی و مادی ترقی کا ذمہ دار تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیا یہ ذمہ داری مشیتِ الٰہی کے فرض کردہ علم سے پوری ہو سکتی ہے۔ کیا کچھ نہ کرنے پر بھی ہم سب کچھ کرنے کے ذمہ دار بنائے جا سکتے ہیں۔ غالباً ہرگز نہیں! بہر نوع ہر حیثیت سے دنیا کی آزمائش کا قانون انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اشد ضروری ہے۔ ہم انسانی قوتوں کے مالک ہو کر ترقی کی منزلوں کو طے کرتے رہیں۔ اور اپنی پیدا کردہ چیزوں کو دلچسپیوں کے ساتھ برسرِ ترقی بنائیں۔ مگر خدائے برتر کی طرف سے اس آزمائش اور قانونِ ابتلا کو ایک قسم کی زیادتی سمجھیں اس سے زیادہ لغو خیال اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ عقیدہ خدائے برتر کی صفاتِ کمال کے بالکل خلاف ہے۔ اور اسی بنا پر حضرت حسینؑ کا یہ فرمانا۔ کہ دنیا کو آزمائش کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور قرآن مبارک کا اس کی طرف لطیف اشارہ نفسیات کے لحاظ سے بڑی پاکیزہ حقیقت ہے۔ اگرچہ حوالہ یاد نہیں مگر خیال ہوتا ہے۔ کہ حضرتِ امامؑ نے اسی مسئلہ پر ایک نقشہ سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ انسانی ساخت کے لحاظ سے تمام

لہ خدا نے تم کو آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے۔ تاکہ حسنِ عمل کو جانا جائے۔

Marfat.com

سفلی قوتیں پستی کی طرف واقع ہیں۔ اور اسی کی طرف کھینچتی ہیں۔ اور اعلیٰ قوتیں بلندی کی طرف لے جاتی ہیں۔ اسی لئے دماغ و قلب بلندی کی طرف واقع ہیں۔ یہ ارتقائی دور حاصل زندگی ہے اور اپنی اپنی جدوجہد اور کسب کے مطابق انسان کو اعلیٰ یا ادنےٰ منزلوں کی طرف لے جاتا ہے۔ زندگی کی اعلیٰ ترین منزل رنگ و بو، اور قید و حیات کی عارضی دلفریبیوں اور حواس کے مادی شکنجوں سے بہت بالا اور برتر ہے۔ اور انسانی ارتقا کا اصل مقصد یہی ہے *

زندگی کا اِرتقائی دائرہ

بلندی = روحانیت

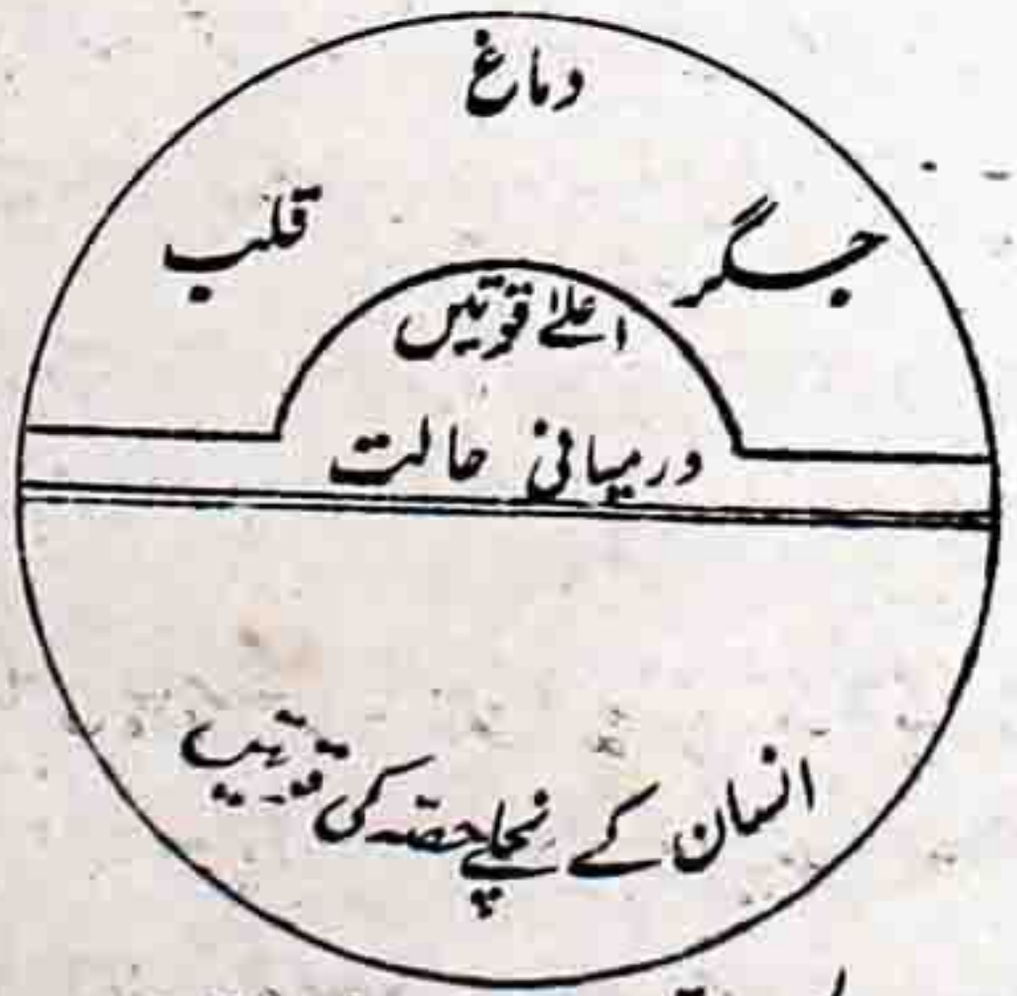

پستی = مادیت

جب تک آپ پست قوتوں کی اصلاح نہ کرینگے۔ بلندی کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور نہ پرواز ممکن ہے۔ اسی مسئلہ آزمائش پر مولانا رومیؒ اس طرح گہر افشاں ہیں

Marfat.com

در خلائق روحہائے پاک ہست — روحہائے تیرہ و کلناک ہست

(ترجمہ) مخلوقات میں پاک روحیں بھی ہیں — اور گندہ و کثیف بھی

ایں صد فہا نیست در یک مرتبہ — در یکے دُرّ است و در دیگر شبہ

انسانی بدن کی یہ سیپیاں سب ایک قسم کی ہیں — کسی میں سچے موتی ہیں کسی میں جھوٹے

واجب است اظہار ایں نیک و تبہ — ہمچناں اظہار گند مہا ز کاہ

ان میں کی اچھی روحونکو بری روحوں سے ممتاز بنانا ایسا ضروری ہے۔ جیسا کہ گیہوں سے بھوسہ نکالنا۔

بہر اظہار ست ایں خلق جہاں — تا نہ ماند گنج حکمت ہا نہاں

دنیا کی پیدائش کا مقصد یہی تصفیہ ہے۔ — تاکہ حکمت کے خزانے چھپے نہ رہیں

اور سُنیے۔ یہ خطبہ بھی اپنی خصوصیات کے لحاظ سے قابلِ مطالعہ ہے۔ موت کے خیال سے جذبۂ خوف پیدا کرنا، صحتِ جسمانی کی طرف توجہ دلانا۔ اور دردانگیزی اور جوشِ بیان کے ساتھ نوعِ انسانی کو نصیحت کرنا۔ ارتقائے روح و دماغ کی روشن دلیل ہے :۔

"لوگو[1]! میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔ خدا کے خوف سے ڈرو۔ اس کی مہلتیں ہمیشہ نہیں مل سکتیں۔ میں دنیا کے لئے اس کے علم و نشان بلند کرتا ہوں دیکھو۔ اور یوں سمجھو۔ کہ موت اپنی ہولناک سختیوں اور تلخیوں کے ساتھ تمہارے سر پر آپہنچی ہے۔ بلکہ اس طرح خیال کرو۔ کہ وہ تمہاری روحوں سے لپٹی

---

[1] الحسین صفحہ ۱۷۷

Marfat.com

ہوئی ہے۔ یہ تمہارے اعمال اور تمہارے جسم کے درمیان ایک پردہ حائل ہے دیکھو۔ جب تک تم زندہ رہو! عمر بھر اپنے جسموں کی صحت برقرار رکھنے میں لگے رہو۔ کیا تم ابھی تک شک میں ہو۔ وہ دن دُور نہیں۔ جب تمہاری بلکہ نوع انسان کی زندگی کو موت کی ناگہانی آفت گھیر لے گی۔ تم کو یہی موت زمین کی پشت سے پھینک کر اس کے پیٹ میں دفن کر دے گی۔ ہاں تم کو یہی موت زمین کی بلندی سے اس کی تحت الثریٰ میں پہنچا دے گی۔ دیکھو! یہی موت تمہارے اُنس و محبت کو مٹا کر زبردست مصائب اور وحشت انگیز مناظر سے دوچار کرے گی۔ تمہیں اس دنیا کی وسعت و روشنی کو چھوڑ کر زمین کی ظلمتوں اور تنگیوں میں جانا ہے۔ آؤ ہوش میں آؤ! آہ وہ منزل گاہِ جسم! جہاں نہ دوستوں سے ملاقات کی جاتی ہے۔ نہ بیمار کی پرسش ہو سکتی ہے۔ اور نہ آہ و فریاد پر کوئی مدد پہنچ سکتی ہے۔ اے خدا کے بندو۔ اِن پُر مصیبت منزلوں میں خدا تعالےٰ میری اور تمہاری مدد فرمائے۔ اپنے عذابوں سے بچائے اور اپنے ثواب کی نعمتوں سے بہرہ ور کرے"۔

بہ لحاظ نفسیات یہ خطبہ کس قدر عظیم الشان ہے۔ اس میں ہر ایک فقرہ ہماری پُر غفلت فضا اور انسانی تنزّل کو پیغامِ بیداری دیتا ہے۔ بالخصوص خیالِ صحت و بقائے جسم پر تاکید بہت زیادہ اہم ہے۔ آج کل کی دنیا میں بھی صحتِ جسمانی کے ساتھ حصولِ تعلیم کا پروپیگنڈا بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ اور نہ معلوم اس کے لئے کیا کیا اہتمامات ہوتے ہیں اور

Marfat.com

کتنے روپے سالانہ خرچ کئے جاتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں فزیکل کلچر کی غرض سے چند ٹریننگ اسکول کھولے گئے ہیں۔ تاکہ نوجوانوں کی صحت کا خاص خیال رکھا جائے۔ مگر لطف یہ ہے کہ ان مساعی کے باوجود انسانی ساخت اور اس کی قوتیں کمزور ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ اور جو مقصد حاصل ہونا چاہیئے۔ وہ حاصل نہیں ہوتا۔ بہر نوع اس کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ ہمیں اس سلسلہ میں یہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ ہمارے بزرگانِ ملت نے اس خیال کو ۱۳ سو برس قبل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ بچپنے اور جوانی ہی میں نہیں۔ بلکہ بڑھاپے میں بھی یا پھر جب تک زندگی تمہارے ساتھ ہو۔ اپنے آپ کو تندرست و توانا بناؤ۔ اور بناتے رہو۔" کیا ہندوستان کے نوجوان طلبہ خصوصاً اور دیگر ممالک کے عموماً اپنی زندگی پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ کیا وہ اپنے والدین کی نسبت زیادہ تندرست و توانا ہیں؟ ان میں سے اکثر طبقے کتابی کیڑے بن کر حجروں اور گوشوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یا بعض صوفی ورد و وظائف کی ضربوں سے فضائے تنہائی کو گرماتے ہیں۔ اور انجام یہ ہوتا ہے۔ کہ صحت برباد اور دماغ مختل۔ غرض ہر حیثیت سے صحت جسمانی کا تحفظ فریضۂ زندگی میں داخل ہے۔ اور جو قوتیں جائز طور پر ان مشاغل میں منہمک رہتی ہیں۔ وہی زندہ و پائندہ نظر آتی ہیں۔ کاشکہ ہمارے اخلاف حضرت حسینؓ کے نقشِ قدم پر چلیں۔ اور اسلامی حدود کے اندر رہ کر زندہ و پائندہ نظر آئیں +

یہ بھی آپ ہی کے فرامین ہیں۔ کہ :-

"امام[1] اس وقت تک امام نہیں۔ جب تک آسمانی کتاب (قرآن)

---

[1] تاریخ الملوک محمد ابن جریر طبری صفحہ ۱۹۷، ۱۹۸ +

Marfat.com

پر عامل نہ ہو۔ سختی کے ساتھ عدل نہ کرے۔ انصاف کو دیانتداری سے نہ برتے اور سب سے آخری بات یہ کہ خدا کی ذات والا صفات پر اعتماد یا بھروسہ نہ رکھتا ہو"۔

"ایک بادشاہ کے لئے بدترین رذالت یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف بزدل و نامرد ثابت ہو۔ اُس کی جرأت کا مظاہرہ کمزوروں پر ہو۔ یا اس کی سنگدلی انہیں بے چاروں پر صرف ہو۔ کنجوسی یا سرمایہ داری کا خیال اور عدم بخشش انسان کو سب سے زیادہ ذلیل کرنے والی چیز ہے"۔

(از لواعج الاشجان)

اِن مختصر اور جامع اقوال میں رعایا و حاکم۔ جمہوریت پسند عوام اور جمہوری صدر دونوں کے لئے زرّیں اصول پائے جاتے ہیں۔ ہم انہیں اشارات سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ حکومت کس کی ماننا چاہیئے۔ اور بادشاہی کے دعویدار کون لوگ ہو سکتے ہیں۔ بدترین حاکم کون ہے۔ ایک بادشاہ کو اپنی سیرت کن اصول کے ماتحت ڈھالنا چاہیئے؟ اگر سچ پوچھئے۔ تو وہ رعایا ایماندار اور قابل عزت رعایا نہیں۔ جو اپنے بادشاہ میں مذکورہ بالا صفات نہ دیکھے۔ اور اس کو بادشاہ مان لے۔ اسی طرح وہ تمام بادشاہ خدمتِ خلق اور تختِ سلطنت کے قابل نہیں۔ جو ایماندارانہ حیثیت سے خدائی ہدایات کو نہ مانیں۔ انصاف پر عمل پیرا نہ ہوں۔ اور دہریت و لامذہبیت کو بہتر سمجھتے ہوں۔ یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ بزدل بادشاہ ملک کی حفاظت کس طرح کریگا یا ظالم بن کر رعایا کی خبر گیری کیونکر ہو سکے گی۔ یا ایک سرمایہ پرست رعایا کا خون چوسنے کے

Marfat.com

علاوہ اور کونسا کارنامہ سرانجام دیگا۔ سُنئے آپ کسی ملک وملّت کی رعایا ہوں۔ آپ کا فرض ہے کہ اپنے سیاسی ماحول کو جانچیں۔ اور پھر ان پر عظمت ارشادات کو سمجھنے کی کوشش کریں جنکی تکمیل کے لئے حضرت امامؑ نے عملی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اللّٰھم صلِّ علیٰ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہٖ وسلّم ۔

ذوقِ ادب و شاعری

اصولِ یورپ کی حکمرانی نے جہاں اور فنونِ لطیفہ کو توڑ مروڑ کر ایک پیشہ کی حیثیت بخش دی ہے انہیں میں ایک شاعری اور ذوقِ ادب بھی ہے۔ پھر طرّہ یہ ہے۔ کہ شعر و شاعری جو کبھی انقلابِ عالم کی ذمہ وار رہی ہے۔ ان کم بساط اور کم سواد سطحی دماغوں کا مشغلہ بنی ہوئی ہے۔ جو اس کی عظمت کو سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ غالباً اسی کس مپرسی اور حکومت کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ ہونے کی بنا پر "شکارِ کارِ بے کاران است" کے بجائے "شاعری کارِ بے کاران است" کا نظریہ ہمارے دماغوں میں موجزن ہے۔ مگر اس حقیقت کو خوب سمجھ لیجئے کہ دنیا کے گزشتہ واقعات اس بے بنیاد عقیدہ کے خلاف گواہی دیتے ہیں اور نگاہ والوں کو بتاتے ہیں۔ کہ یورپ اور ایشیا کے دماغوں میں روحِ انقلاب پیدا کرنے والے افراد اکثر و بیشتر شاعر ہی ہوتے ہیں۔ بلکہ آج بھی یہی قانون کارفرما ہے۔ فردوسی و سعدیؒ و حافظ و خیام ایران کے لئے، ہومر وغیرہ یونان کے لئے، کالیداس و تلسی داس اور رامائن و مہابھارت کے مصنّف ہندوستان کے لئے، ابو نواس و لبید اور سینکڑوں شاعر عربستان کے لئے، شیکسپیر و ملٹن و ورڈسورتھ، و شیلے، و بائرن، و ٹینیسن انگلستان کے لئے، گوئٹے،

Marfat.com

وہائنے، وشلر جرمنی کے لئے۔ اقبال و ٹیگور، ہمارے موجودہ دَور کے لئے۔ اور اسی طرح دوسرے ممالک انہیں شاعروں کی آتش افشانی یا شیریں بیانی سے متاثر ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے کیا آج بھی بنی نوع انسان انہیں غیر معمولی دماغوں سے روحِ انقلاب اور جذبۂ رومان کو نہیں حاصل کرتے۔ مگر ہاں شرط یہی ہے کہ شاعر شاعر اور شاعری شاعری ہو۔ اسی ذوقِ ادب کی اہمیت اور رتبہ کو ارسطو نے بڑے حسن کے ساتھ سمجھایا ہے۔ اور ہمارے موجودہ شعرا کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ وہ اسی شاعری کے مشغلہ کو جو ستم ظریفی کی بنا پر ہمارا اولین مشغلہ بنا ہوا ہے۔ آخر ترین شغل یا سبق تجویز کرتا ہے۔ اور بے شبہ دیگر علوم و فنون حاصل ہونے اور روشن دماغ بن جانے کے بعد ہی یہ نازک ترین علم اختیار کرنے کے قابل ہے۔ ارسطو نے انسانی دماغ کو ایک مکان سے تشبیہ دی ہے۔ جو زیرِ تعمیر ہو۔ جب تک طاق و محراب، دیوار و در، اور عرش و فرش، سب کے سب نہ بن جائیں۔ نقش و نگار اور رنگ و روغن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آئینہ بندی اور ترصیع عقل کے خلاف ہے۔ بالکل یہی حال شاعری کا ہے۔ ذہن و دماغ کی عمارت بن جانے پر شاعری کی طرف سب سے آخر میں متوجہ ہونا چاہیئے تاکہ اس میں لطافت و نزاکت، اور صفائی و زیبائی کا جوہر پیدا ہو سکے۔ اور ذوقِ علم کی صحیح پرورش میسر ہو۔ مگر رفتارِ زمانہ اس کے بالکل خلاف ہے۔ اور اس کا انجام ظاہر ہے ٭

الہامی شاعری و شعر بذاتِ خود کسی حیثیت سے بھی خواہ مذہبی ہو یا سیاسی بُری چیز نہیں۔ بلکہ ہمارے دَورِ زوال میں یہ چیز بھی "شیرازی ام الخبائث" کی طرح بدنام ہو گئی ہے۔ ایک طرف تو صحبتِ ناجنس کی مصیبت اس کے سر پر محیط ہے۔ اور دوسری طرف سے حکومت

کی عدم حوصلہ افزائی اس فنِ شریف کا گلا گھونٹ رہی ہے۔ بیرونی حکومت کے ارباب حل و عقد اپنے خاص ملک میں اس وقت بھی ملک الشعراء کا وجود ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر ہندستان اور دیگر محکوم ممالک کے لئے واجبی حوصلہ افزائی کو گوارا نہیں کرتے۔ اچھا یونہی سہی۔ ع

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمے دانم

کبھی نہ کبھی تو ہماری ملکی زبانوں کی قسمت جاگے گی۔ اور تقسیم ملک کی طرح تقسیم زبان کا مسئلہ بھی پیچیدہ سیاست کی گتھی کو سلجھائیگا۔ خیر اب مذہبی حیثیت سے دنیائے شاعری پر نظر ڈالئے۔

ذوقِ ادب و شاعری کو مذہبًا بُرا سمجھنے والے زبردست مغالطہ میں ہیں۔ کسی مذہب کو شاعری سے کبھی بیر نہیں رہا۔ بلکہ مذہب کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے لئے اس کو استعمال کیا گیا ہے یہ اور بات ہے کہ انبیاء کے لئے جو خدا کے الہامات کو براہِ راست وصول کرنیوالے ہوتے ہیں۔ یا جن کی زندگی کا مشن ایسے ادبی مشغلے نہیں ہوتے اس کو مناسب نہیں سمجھا گیا۔ؔ

پھر بھی ہمارے رسولِ گرامی نے میدانِ جنگ میں رجز پڑھے ہیں:۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِب أَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِب

(ترجمہ) میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں

اور اسلامی شاعروں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ قصیدہ بردہ آج تک اسی لئے مشہور ہے۔ کہ آپ نے ازراہِ انعام اس کے مصنف کو ایک چادر مرحمت فرمائی تھی۔ حسان بن ثابت پر آپ ناز فرماتے تھے۔ جو جاہل شعرائے عرب کے مقابلہ میں ادبی مورچوں کو سر کرتے تھے حضرت

لہ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ۔ ترجمہ ہم نے اپنے رسول کو شعر و شاعری نہیں سکھائی۔ یہ اس کے لئے مناسب نہیں تھی۔

Marfat.com

علی کرم اللہ وجہہٗ کا دیوان موجود ہے۔ اسی طرح دیگر اہلبیت اطہار کے زن و مرد، اور اصحاب کرامؓ اور دوسرے ائمہ اسلام، ذوقِ شاعری اور سخنوری کے دائرہ سے نہ بچ سکے۔ خدانخواستہ اگر یہ چیز معیوب و ممنوع ہوتی۔ تو یہ فرشتہ صفت اپنے دامن کو اس "شغل بیکاری" سے کیوں آلودہ کرتے۔ بالخصوص حضرت حسینؓ بھی جن کو دنیا والے محض ایک فوجی کمانڈر سمجھے ہوئے ہیں اسی قدر ملزم شاعری اور صحیح ذوقِ ادب کے بڑے پیراک تھے۔ آپ اس کی گہرائیوں سے بخوبی آشنا تھے۔ آپ کا ذوقِ سلیم صرف ذاتی نہیں بلکہ صفاتی بھی تھا۔ یعنی اپنے ذاتی افکار و اشعار کے علاوہ اس وقت کے شعراء اور ادیبوں کو انعام و اکرام سے مالامال فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں آپ کی خدمت میں حضرت حسنؓ نے آپ کو ایک خط لکھا اور زیادتی بخشش سے منع کیا۔ آپ نے اس ہدایت نامہ کا جواب اس طرح دیا۔ کہ :-

"إِنَّ خَيْرَ الْمَالِ مَا وُقِيَ بِهِ الْعِرْضُ (ترجمہ) بہترین مال وہ ہے جس سے عزّت و آبرو کو برقرار و محفوظ رکھا جائے" *

اسی طرح بنی اُمیّہ و بنی عباس اور فاطمی و سلجوقی و مغل بادشاہوں اور اُن کے دَور کے عظیم الشان ادیبوں اور فاضلوں، شاعروں، اور خطیبوں اور ان کی شاہانہ حوصلہ افزائیوں کو کس طرح بھلایا جا سکتا ہے۔ غرض یہ خیال کہ مذہب اسلام شاعری یا اس قسم کے مفید فنون لطیفہ کو بُری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بڑا لغو اور بے بنیاد خیال ہے۔ قرآن و حدیث، خلفاء و ائمہ نے "اچھی شاعری کو اچھا سمجھا ہے"! اور ایام جاہلیت کے جاہل اور گمراہ شعرا کی تنقیص کی ہے

---

* ابنِ عساکر حوالہ تاریخ کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۳

Marfat.com

ذوقِ ادب کے متعلق اُن کے فیصلوں اور ان کی عملی حوصلہ افزائی کو غلط سمجھنا ہمارے فہم کا قصور ہے۔ کیا اس میں کچھ شبہ ہے۔ کہ اصلاحِ قوم اور پاستانی روایات کی محافظ یا جذبات انسانی کے لئے سب سے زیادہ مؤثر چیز یہی شاعری ہے! اگر یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے تو شعر و شاعری بھی فطرت انسانی کے لئے ناگزیر چیز ہے۔ دیکھئے اور سمجھئے۔ کہ عربوں کا ادبی مذاق نہ صرف عربوں کے لئے مایہ ناز تھا۔ بلکہ مسئلہ نفسیات اور ذہانت و ذکاوت یا لطافت و نزاکت کی اہمیت کے لحاظ سے خدائی مشن کا قرعۂ انتخاب بھی اسی قومِ عرب پر پڑا۔ جو مادی علوم و فنون کی سرمایہ دار تھی۔ مگر اس شے لطیف کے سرچشموں سے بہرہ ور تھی۔ آپ خود بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ غبی اور کور دماغ شاعر یا نباضِ فطرت نہیں مانا جا سکتا۔ نہ آج تک کوئی انسان غبی ہونے کے باوجود شاعر ہوا ہے۔ اسی لئے شاعری کی اہمیت اور ایک زندہ و طباع قوم کے لئے ایک زبردست قومی و مذہبی شاعر کی ضرورت سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہر نوع آمدم برسرِ مطلب۔

اب ذرا حضرت حسینؑ کے ادبی ذوق کا اندازہ فرمائیے۔ اور اپنے دل و دماغ کو صحیح زاویۂ نگاہ سے استعمال کیجئے۔ حضرت امامؑ نے جا بجا فی البدیہہ اشعار فرمائے ہیں۔ جن میں علمِ بیان و معانی کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں۔ جو ایک بہترین ادیب و شاعر کی تقریر و کلام میں ہونا چاہئے۔ ان کی رُوحِ ادبیت یا معیارِ بلاغت و فصاحت کو سمجھنے کے لئے عربی کا اسکالر ہونا ضروری ہے۔ مگر ہم آپ کو ہندوستانی یا اردو کی دنیا سے برطرف ہو کر عربی و عربستان کی فضا میں نہیں لے جانا چاہتے۔ اس لئے صرف تراجم پر اکتفا کرتے ہیں۔ ارتقائے دماغ اور ادبی ذوق کے معیار کو سمجھنے والے ان تراجم سے بھی ہمارے اصل مقصد کو سمجھ سکیں گے

Marfat.com

یہ مسلم ہے۔ کہ شعر کا لطف ترجمہ میں نہیں آسکتا۔ مگر پھر بھی سہ آتشہ شراب دو آتشہ ضرور خیال کی جاسکتی ہے۔

خصوصیاتِ شاعری

ان انتخابات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ شاعری کو معمّا نہیں بنایا گیا۔ بلکہ ان کو پڑھکر یہ محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ شعر و شاعری ہر قسم کی ادبی کشاکش کے بعد جس معیار یا اسٹیج پر پہنچی ہے۔ وہی آپ کے پیشِ نظر تھا۔ شاعری اگر واقعہ نگاری اور جذباتِ عمل کو ابھارنے کا نام ہے تو آپ کا رتبہ بے شبہ صفِ اولین میں ہے۔ افسانہ و مبالغہ اور دُور از کار باتیں نہ آپ کے خطبوں میں ہیں نہ پاکیزہ کلام میں۔ آمد کے سوا آورد کا وجود نہیں۔ آپ کا دماغ قدرت کی بخشی ہوئی قوت سے مصروفِ الہام ہے۔ استعارات و تشبیہات وہی ہیں جو روشنی و نزاکت سے لبریز ہیں۔ اور ضرورت سے زیادہ نہیں۔ جذبات، و خیالات، و عمل یا نفسیات کے تدریجی فلسفہ سے آپ کی ذات بخوبی آشنا ہے۔ اسی لئے خوشی و غم کے نشیب و فراز اور تخیل کی پرواز بالکل متوازن ہیں۔ جوشِ بیان اور جوشِ عمل اور اسی قسم کے دیگر التزامات آپ کی شاعری کا جزوِ اعظم ہیں۔ مگر یہ نازک صفات میرے سمجھانے کی چیزیں نہیں ہیں۔ بلکہ زیادہ تر خود سمجھنے اور محسوس کرنے سے واسطہ رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کو خود ہی محسوس کرنا چاہیئے۔ یہ بھی نظر انداز نہ فرمایئے۔ کہ حقیقی علم و فضل کا دامن محض حسنِ الفاظ سے وابستہ نہیں بلکہ اس کا اصل سرچشمہ ادبی ذوق یا شاعرانہ روشن دماغی اور معنیٰ آفرینی سے مربوط ہے۔ یہی قوت دنیائے معنیٰ اور عالمِ جذبات و حیات کی مصوّر اور خالق ہے۔ اگر آپ حضرت امامؑ کے علم و فضل کو

Marfat.com

جاننا چاہتے ہیں۔ تو اسی شئے لطیف یا بلند ادبی معیار کو سمجھنے کی کوشش کیجیئے جس کے اثرات مندرجہ ذیل انتخابات میں وجود پذیر ہیں :۔

گزشتہ خطبات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔ اب ہم آپ کے اشعار کے تراجم نقل کرتے ہیں۔ افسوس کہ آپ کے اشعار کو بھی خصوصیت کے ساتھ محفوظ نہیں کیا گیا۔ جو کچھ ملتا ہے وہ جستہ جستہ۔ اس قسم کا سرمایہ جو کچھ بھی ہو گا۔ اس کو بھی سانحۂ کربلا ہی کی نذر سمجھئے محفوظ کردہ اشعار کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ بہرنوع سنئے :۔

ترجمۂ اشعار :۔

"زمانہ سازی پر"

"اگرچہ[1] زمانہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دے ٭ پھر بھی تو مخلوق کی طرف مائل نہ ہو
دیکھ خدا کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلا ٭ صرف وہی رزق کا تقسیم کرنیوالا ہے
اگر تو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے ٭ اور مشرق سے مغرب تک گشت لگاتا رہے
پھر بھی ذاتِ خداوندی کے علاوہ کوئی انسان ٭ ایسا نہیں ملسکتا جو تجھے خوش نصیب اور بدنصیب بنا سکے"

سرمایہ طلبی پر

اگر تم[2] مخلوق کو چھوڑ کر خالق کی طرف رجوع ہو ٭ تو سچوں اور جھوٹوں دونوں سے بے نیاز ہو
دیکھو رزق صرف خدا سے طلب کرو ٭ اس کے سوا کوئی رازق و معطی نہیں

---

[1] ابن عساکر حوالہ تاریخ کبیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۳ [2] کشف الغمہ بحوالہ الحسین صفحہ ۱۸۵ ٭

اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ لوگ اسے توانگر بنا دینگے ٭ تو وہ خدا پر یقیناً بھروسا نہیں رکھتا

(یا اسی طرح)

جو یہ سمجھے کہ مال و دولت اسکی ذاتی کمائی ہے ٭ تو اس کے پاؤں کسی نہ کسی دن ضرور ڈگمگا جائینگے

سرمایہ داری کے خلاف

جب[1] کسی کے پاس دولت زیادہ ہو جاتی ہے ٭ تو اس کی فکریں اور مشاغل بڑھ جاتے ہیں

اے دولت تو آرام کو مکدر کرنے والی ہے ٭ تو فانی اور مٹنے والی چیزوں کا گہوارہ ہے

واللہ کوئی زاہد اسوقت تک زاہد نہیں بن سکتا ٭ جبتک وہ اہل و عیال کی فکر میں ڈوبا رہے

سرکشوں کے خلاف

وہ[2] لوگ رخصت ہو گئے جن سے میں محبت کرتا تھا ٭ اب میں ان افراد میں ہوں جو مجھ کو پسند نہیں

ہاں میں دیکھتا ہوں! مجھے لوگ پیٹھ پیچھے برا کہتے ہیں ٭ مگر میں اُن کو برا نہیں کہتا اور نہ کہوں گا

وہ تا مقدور میری برائی چاہتے ہیں ٭ مگر میں ان کے معاملات درست کرنا چاہتا ہوں

یہ! میرے آس پاس برائی کی مکھیاں ٭ بھنکتے دیکھتے ہیں مگر بھگاتے نہیں

یہ! اپنے دلی کینہ کو چھپاتے ہیں ٭ اور جی ہی جی میں اُسے بھڑکاتے ہیں

---

[1] بروایت اعمش حوالہ الحسین صفحہ ۱۸۵ ٭

[2] کشف الغمہ صفحہ ۱۸۵ حوالہ الحسین روایت علی بن عیسیٰ ٭

Marfat.com

یہ اپنی عقل سے کیوں کام نہیں لیتے ٭ ان کو سمجھ کیوں نہیں آتی
کیا یہ اپنے اعمال کا انجام نہیں دیکھتے ٭ کیا یہ ان کے سامنے بہت جلد آنیوالا نہیں
مجھکو میرا خدا کافی ہے ٭ میں کسی سے نہیں ڈرتا باغی کو اسکی بغاوت ہی مٹادے گی
ہاں ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کیخلاف بغاوت کیجائے ٭ اور خدائے برتر ان مظلوموں کی حفاظت وکفالت نہ کرے

مسئلہ موت پر

ذلت[1] برداشت کرنے سے موت بہتر ہے ٭ اور ذلت برداشت کرنے سے جہنم بہتر ہے
خدا کو یونہی پہچانتے ہیں ٭ اور یہی قانون جاری ہے

حضرت مسلمؑ کی خبرِ شہادت سُن کر

اگر[2] جسم موت ہی کے لئے ہیں تو راہِ خدا میں ٭ انسانوں کا شہید ہونا ہی بہتر ہے
اگر مال صرف اسی لئے ہے کہ جمع کرکے وراثت میں چھوڑ دیا جائے ٭ تو پھر اس کا وارث خواہ مخواہ بخل کیوں کرے

غرض یہ کہ "مشتے از خروارے" یہ شاعری ہماری ہندوستانی شاعری یا افسانہ نگاری اور گل و بلبل کی باتیں نہیں۔ بلکہ ایک عملی انسان نے عملی زبان میں اور عملی حیثیت سے زندگی

---

[1] روایت ابن الجاحظ حوالہ بیان و تبئین الحسین صفحہ ۱۸۷ ٭
[2] روایت محمد بن ابی طلحہ مطالب السئول الحسین صفحہ ۱۸۶ ٭

Marfat.com

کے جذبات و خیالات کو پیش کیا ہے۔ آپ اگر اس گزشتہ دور کے مختلف ادبوں کا جس کو ۱۳۰۰ برس گزر چکے ہیں۔ علمی اندازہ کر سکتے ہوں تو ادبی تقابل کے ساتھ یہ ضرور ملاحظہ فرمائیے کہ انہیں مذکورہ خیالات کو اس وقت کے ادیبوں اور شاعروں نے کس طرح ادا کیا ہے؟ وہ شاعرانہ بلندی کی اُس حد تک پہنچے یا نہیں۔ جہاں حضرت حسینؑ بلا تکلف گہر افشاں ہیں۔ اس طریقہ کار سے آپ حضرت امامؑ کے ادبی جواہر ریزوں کی عظمت کا کچھ نہ کچھ اندازہ کر سکینگے میرے خیال میں دنیائے شاعری نے کتنی ہی ترقی کی ہو۔ مگر سرمایہ داری و سرمایہ طلبی کے خلاف یہ آواز بلند کرنا۔ کہ سوا خدا کے کوئی انسان کسی کو توانگر نہیں بنا سکتا یا مال کو شخصی ملکیت سمجھنا لغزش و گمراہی کا مرکز اور پاؤں کو ڈگمگا دینے والی چیز ہے۔ اعلیٰ پیمانہ کی شاعری ہے۔ نگاہِ بصیرت والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ کہ موت سے خدا کی پہچان اور اس قانون کی عملی حیثیت کس قدر سچی واقعہ نگاری اور بہترین اسلوب بیان ہے۔ یہی حال جسم و موت اور شہادت والے اشعار کا ہے۔ جن کے شاعرانہ اندازِ بیان نے جسم و موت کو مدِ نظر رکھکر شہادت کی برتری کو جذباتی حیثیت سے ثابت کیا ہے۔ اسی شعر کے متعلق جو واقعہ شہادتِ حضرت مسلمؑ میں درج ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ حضرت حسینؑ کے علم مبارک پر ثبت تھا۔ رہی سرکشوں کے خلاف بغاوت یہ نظم سہل ممتنع میں آتی ہے۔ جو سادگی و آمد اور جوشِ بیان اور دلگدازی کے ساتھ ساتھ سیاسی تاریخ بھی ہے۔

اچھا اب ہمارے انتخاب کا آخری بند بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جو نزاکت جذبات، فراوانی تخیل اور نزاکتِ ادا کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ جنت البقیع میں جلوہ افروز ہیں۔ اور وہاں کے

Marfat.com

مناظر کو دیکھ کر اس طرح گہر افشاں ہیں :-

مزارِ جنت البقیع

"میں[1] نے قبروں میں رہنے والوں کو پکارا مگر کسی نے جواب نہ دیا"۔

"ہاں مجھے اُن کی قبر کی مٹی نے جواب دیا۔ اور یہ کہا"۔

"تمہیں کچھ علم ہے۔ کہ میں نے اپنی آغوش میں سونے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا"۔

"سنو" "میں نے اُن کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے اور اُن کے لباسوں کو پارہ پارہ کر دیا"۔

"ہاں میں نے اُن کی آنکھوں میں مٹی بھر دی ! ہاں وہی آنکھیں"۔

"جو ذرا سا تنکا پڑ جانے سے آب آب ہو جاتی تھیں" ۔

"ہاں ! میں نے اُن کی ہڈیوں کو چور چور کر دیا ہے"۔

"جوڑ جوڑ اور بند بند علیحدہ ہو گئے ہیں"۔

"اور مجھ میں لیٹنے والوں کا ہر جزوِ بدن ایسی حالت میں ہے"۔

"کہ ان پر ہمیشہ ہمیشہ کہنگی اور فرسودگی برستی رہے گی"۔

اچھا اب قوتِ بیان کے لحاظ سے جو شاعری و خطبات کا بہترین مظہر ہے۔ ایک اور

---

[1] الحسین صفحہ ۱۸۵ ۔

Marfat.com

واقعہ سُنئے۔ یعنی نافع بن ازرق کی آپ سے ملاقات اور گفتگو۔ یہ ابنِ ازرق وہ مشہور لیڈر ہے جس نے عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ میں خروج کیا تھا۔ تیس ہزار سوار اس کے تابع تھے۔ خود نہایت قابل و تعلیم یافتہ تھا۔ اور بصرہ سے اہواز تک اس کے قتل و غارت کا آماجگاہ تھا۔ ابن ازارقہ پر کفر کے فتوے صادر ہو چکے تھے۔ اس لئے کہ یہ لوگ مبتعینِ ازرق بچّوں اور عورتوں کا قتل جائز سمجھتے تھے۔ حضرت علی و عثمان و عائشہ و طلحہ و زبیر و عباس رضی اللہ عنہم کو بُرا ہی نہیں۔ بلکہ (نعوذ باللہ) کافر خیال کرتے تھے۔ آخر کار حجاج نے ان کا خاتمہ کیا۔ حضرت حسینؓ سے جب ابن ازرق کی ملاقات ہوئی۔ تو اس نے بہت سی باتوں کے علاوہ ایک سوال یہ بھی کیا تھا۔ کہ آپ اپنے اس خدا کی تعریف کیجئے جس کو آپ پوجتے ہیں۔ اس پر آپ نے جو جواب دیا۔ وہ مندرجہ ذیل ہے :-

"اے[1] نافع جو شخص اپنے مذہب کو قیاس کی ترازو میں تولتا ہے۔ وہ ہمیشہ شکوک و شبہات میں گرفتار رہتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ ایک دن ایسا آتا ہے۔ کہ وہ سیدھے راستہ سے ہٹ جاتا ہے۔ اس وقت اس کو ٹیڑھا یا گمراہ رہنے کا خیال خواہ مخواہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص کجی کی وجہ سے صراطِ مستقیم پر نہیں چل پاتا۔ اے ابن ازرق میں خدا کی تعریف میں وہی کہنا چاہتا ہوں جو خود اُس نے فرمایا ہے۔ یعنی :-

"حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ لوگ اس کو قیاس میں نہیں لا سکتے۔

---

[1] تاریخ کبیر صفحہ ۳۲۳ جلد ۴۔ الحسین صفحہ ۱۶۲ *

Marfat.com

وہ قریب ہے مگر اسے مس نہیں کر سکتے۔ وہ بعید ہے، مگر قیدِ حدود سے بالا۔ وہ تنہا دیکھتا ہے اور ناقابلِ تخبری ہے۔ اس کی شناخت اس کی نشانیوں سے ہوتی ہے۔ اور اس کے اوصاف اس کی علامات سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس صاحب عظمت و بلندی کے سوا اور کوئی معبود نہیں" ٭

اس بیان کو سُنکر ابن اذرق رونے لگا اور کہا :-

"آپ کی گفتگو کس قدر پاکیزہ اور آپ کا بیان کس قدر فصیح و بلیغ ہے" ٭

ممکن ہے۔ کہ آپ اس بیان کو عنوانِ شاعری کے ذیل میں دیکھکر متحیر ہوں مگر مجھے، یہ سمجھانا ہے کہ یہ ہماری فنِ شاعری سے بھی بالا چیز ہے۔ اور اسی قسم کے مظائر سے آپ حضرت حسینؓ کے برتر ادبی مذاق کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ دیکھئے ایک ان دیکھی چیز کو بیان کرنا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔ پھر یہ قوت اور مرکزِ حسن تو وہ چیز ہے جس کا خاکہ کھینچنے میں بڑے بڑے ادیب ناکامیاب ہوئے اور عجز خم کرنا پڑا۔ قرآن مبارک میں بھی اس ہستی کی تعریف عجب انداز سے کی گئی ہے اور کس قدر مؤثر ہے ٭

"وہ کمیت و کیفیت سے بالا، خیال و فکر سے بلند، رنگ و بو، اور مکان و وقت، کی رسائی سے برتر ہے۔ وہ آسمان و زمین کا نور ہے، وہ ایک چمکنے والا تارا ہے۔ وہ ایک بلورین فانوس میں چمکنے والی روشنی ہے جس میں گیس بجلی اور روغن استعمال نہیں کیا جاتا۔ بقول حضرت ابراہیمؑ کبھی وہ تاروں کا نور ہے۔ کبھی چاند کی چمک ہے کبھی سورج کی روشنی ہے۔ کبھی دل کی تجلی ہے۔ وہ

Marfat.com

زوال پذیر نہیں۔ وہ جاودانی ولافانی ہے۔ وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، وہ اونگھتا نہیں، وہ سوتا نہیں، وہ دلوں کا حال جانتا ہے، ذرّہ ذرّہ اس کا فرمانبردار ہے۔ وہ سب کو دیکھتا ہے۔ اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا، وہ جنتا نہیں، وہ جنا جاتا نہیں، اس کے رموز غیر محدود ہیں۔ سمندروں کی روشنائی ختم ہو جائے مگر یہ مدون نہ ہو سکیں۔ وہ بادلوں کو اڑاتا ہے، پانی برساتا ہے۔ بہار و خزاں کے رنگ دکھاتا ہے۔ وہ ہر جگہ ہے ہر چیز میں ہے۔ عرش کرسی و لوح و قلم اور آسمان و زمین سب اسی کے ہیں۔ غرض سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ "۔

بہر نوع حضرت امامؑ کے بیان پر غور کرنے کے بعد آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ اگر شیرینی و اختصار حسنِ بیان کی جان ہے۔ تو ذاتِ خداوندی کے متعلق آپ کا یہ بیان غیر منظوم شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ ایک لامحدود چیز کو حدود میں لانا اور انسانی دماغ کے لئے اسے محدود بنانا اور وہ بھی اس طرح کہ اصل حقیقت کی طرف رہبر ہوں۔ ہر ادیب و شاعر کا کام نہیں۔ اچھا ابن اذرق کی علمی شہادت کے بعد ایک دوسرے ادبی مقالہ کی روداد سنئے۔ اور پھر اس باب کو ختم سمجھئے:۔

ایک بدوی[1] اور حضرت حسینؑ

ایک دن ایک بدوی مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ حضرت حسنؑ مع اپنے حلقۂ احباب و تلامذہ کے

---

[1] الحسین صفحہ ۱۸۲ +

Marfat.com

جلوہ افروز تھے۔ اُسی حلقہ میں حضرت حسینؓ بھی تشریف فرما تھے۔ بدوی نے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں؟

ایک شخص نے جواب دیا۔ یہ حضرت حسنؓ ابن علیؓ ہیں ٭

بدوی۔ میں انہیں سے ملنے کے لئے جنگل اور پہاڑ طے کر کے آیا ہوں۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ ان کی گفتگو فصیح عربی میں ہوتی ہے۔ میں ان سے ادبی مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ دیوان العرب میرا سرمایۂ ناز ہے ٭

شخص۔ ہاں میں آپ کا تعارف کرا دونگا۔ چلئے :۔

(دونوں کا چلنا اور پہلے حضرت حسینؓ سے دوچار ہونا)

شخص۔ آپ حضرت حسین ہیں۔ پہلے اپنا ادبی مقابلہ آپ ان ہی سے شروع فرمائیں ٭

بدوی۔ السّلام علیکم :۔

حضرت حسینؓ۔ وعلیکم السّلام۔ فرمائیے۔ کس غرض سے تشریف لائے ٭

بدوی۔ میں بلاد روم سے آیا ہوں۔ یعنی "ھرقل وجَعلل وأرئیم وھمھم" میرا وطن ہے اور میں ادبی مقابلہ کرنا چاہتا ہوں ٭

حضرت حسینؓ۔ (مُسکرا کر) تم نے جو گفتگو کی ہے۔ اسے پڑھے لکھے ہی سمجھ سکتے ہیں ٭

بدوی۔ جی ہاں۔ میں اکثر ایسی ہی گفتگو کیا کرتا ہوں۔ اور اس سے زیادہ مشکل گفتگو کرونگا۔ کیا آپ میرے کلام کے مطابق جواب دے سکتے ہیں؟

حضرت حسینؓ۔ ہاں فرمائیے۔ آپ جو فرمائیں گے۔ میں اس کا جواب دُونگا ٭

Marfat.com

بدوی - میں بدوی ہوں! ور اکثر شعر کہا کرتا ہوں - جو عربوں کے لئے مایہ ناز چیز ہے۔

حضرت حسینؓ - اچھا تو بسم اللہ فرمائیے - اور جواب لیجئے۔

بدوی نے فی البدیہہ پڑھنا شروع کیا :-

(ترجمہ) "بڑھاپا اور جوانی دونوں مجھ سے رخصت ہو گئے - مگر میرا دل کھیل کی طرف مائل رہا"۔

"آہ جوانی اور جوانی کا زمانہ! غرور اور لذتوں سے لبریز - کس قدر دلکش تھا یہ زمانہ! اس پر خدا کی رحمتیں ہمیشہ ہمیشہ نازل ہوں"

"پھر ایک دَور آیا - جب شامِ عمر نے مجھ کو گھیر لیا - میرے سر کے دونوں حِصّے بڑھاپے کی سفیدی سے سفید بن گئے"۔

"اب میں خضاب لگانے پر مجبور ہو گیا - پھر کچھ دنوں بعد اس لہو ولعب کے مشاغل سے دِل پھیکا پڑ گیا"۔

"میں نے اس جامہ کو بھی اُتار پھینکا"۔

بے شُبہ زمانہ کی نیرنگیوں میں بہت سے عجائبات ہیں - مگر اُسی شخص کے لئے جس نے اس کے دونوں رُخ ملاحظہ کئے ہوں"۔

ایک عقلمند انسان کے لئے شیب و شباب دونوں ایک مرقع عبرت ہیں"۔

اس پر حضرت حسینؓ نے فی البدیہہ اعرابی سے زیادہ مشکل زبان میں یہ اشعار فرمائے:-

(ترجمہ) "سُن مجھے کسی مقام کے اثرات نے آزردہ نہیں کیا - میرے لئے یہ

مقامی نشانیاں یا آثار"۔

"ایسے ہی ناپائیدار ثابت ہوئے۔ جیسے کہ ناپائیدار چیزوں کو گرد و غبار کی طرح طوفانی ہوائیں اڑا لے جائیں"۔

"یہ سب چھوٹی بڑی نشانیاں زلزلہ کے ساتھ ساتھ چلنے والی ہواؤں کی نذر ہو گئیں۔ یا یوں"

سمجھئے کہ ایک دھواں دھار بادل خوب فیاضی کے ساتھ برسا۔ اس نے سماکین یعنی اعزل و رامح"۔

"نامی ستاروں کو اس وقت چھپا لیا۔ جب وہ ڈوبنے والے تھے۔ اس بادل کے شگاف موسلا دھار برسے۔

"انہوں نے بجلیاں خوب چمکائیں۔ اُن کے کوندنے میں کسی طرح کسر نہ رہی۔ گرج خوب ہوئی۔ اور ایسی ہی"۔

"جیسے کہ گھنگور گھٹائیں ہونا چاہیئے۔ آخر اس طوفان باد و برق کا نتیجہ کیا ہوا یہی کہ یہ مقام"۔

"یا طوفان کی آماجگاہ خود بخود ویرانہ بن گیا۔ اور یہاں کے باشندے (یا آرزوئیں) مجبوراً کوچ کر گئے"۔

ابھی حضرت حسینؑ یہ اشعار فرما ہی رہے تھے۔ کہ بدوی چیخ اٹھا۔

بدوی۔ میں نے اس نوجوان سے زیادہ فصیح و بلیغ بولنے والا نہیں دیکھا۔ کتنی پاکیزہ زبان اور

Marfat.com

فصیح گفتار ہے ۔

حضرت حسینؓ ۔ہاں یہ نوجوان وہ نوجوان ہے جس کے اجداد کو خدا نے پاکیزہ و طاہر بنایا ہے۔اس کی پیشانی اور ابروؤں کے نور سے چمکدار چاند نے روشنی حاصل کی ہے۔ سنئے ۔میں نے اپنے شعر و سخن کو بدرجۂ کمال پورا کیا ہے ۔اور اپنے عروض کو خوب متوازن بنایا ہے ”۔

بدوی ۔ (حضرت حسینؓ و حضرت حسنؓ سے مخاطب ہوکر)

”خدا تم دونوں کو برکت دے ۔لوگ تمہیں ایسے افراد کی عظمت کرسکتے ہیں ۔

غرض اس مختصر علمی تبصرہ سے آپ نے اندازہ کرلیا ہوگا۔کہ حضرت حسینؓ علمی و ادبی عسکری و نظامی حیثیت سے کس قدر اعلیٰ سیرت کے انسان تھے ۔اگر آپ ایک طرف فتح افریقہ و طرابلس[1] و طنجہ و برقہ و روم و طبرستان و قسطنطنیہ و جنگِ جمل و صفین و قتلِ خوارج و دفاعِ حضرت عثمانؓ و میدانِ کربلا میں سینہ سپر نظر آتے ہیں ۔تو دوسری طرف علم و فضل کے درخشاں آفتاب ،علمِ الٰہی و عرفان کے بحرِ مواج اور دنیائے ادب اور ذوق سلیم کے مہرِ تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں۔آپ نہ صرف معرفت و روحانیت ،فلسفۂ اخلاق و نفسیات ،علم البیان والکلام کے ماہر استاد ہیں ۔بلکہ نظری قوتوں کے ساتھ ساتھ میدانِ سیاست و حرب اور آئینِ جہانبانی اور قانونِ عسکری کے بھی عملی رہبر ہیں ۔یہ دونوں صفات ایک ہی سیرت میں[2] ی

---

[1] الحسین صفحہ ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۸ ، ۶۷ ۔

Marfat.com

مشکل سے ملتی ہیں۔ بلکہ ایسے افراد اس دنیا میں بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ جن کی نظامی و عسکری سیرت مکمل ہو سکی ہو۔ بہر نوع ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔

حضرت امام حسینؑ کا ہر شعبۂ زندگی اسلامی تعلیمات کا بہترین نمونہ ہے۔ اس لئے اسلامی دنیا کے ہر فرد کو خصوصیت کے ساتھ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ صرف یہی خیال اس خامہ فرسائی کا محرک بنا ہے۔ ورنہ نکہت کہاں اور آپ کے چمنستانِ علم و فضل کا استقصا کہاں :-

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

Marfat.com

فلسفۂ شہادت و کمالِ انسانی

Marfat.com

فلسفۂ شہادت و کمالِ انسانی

مرگ برگ آمد کہ را حنہا در وست　　مرگ ساز و نغمہ را پیداز پوست
مرگ بردارد حجابِ ماز پیش　　تا شویم از فرع سوئے اصل خویش
مرگ جانہا را سوئے جاناں کشد　　بلبلاں را جانبِ بستاں کشد (رومی)

(ترجمہ)

”موت اصل میں آرام و راحت کا ساز و سامان ہے۔ اسی سے بیجان کالبد میں روح نغمہ پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی کی بدولت ہماری نگاہوں سے حجاب اٹھتے ہیں تاکہ ہم فرع سے اصل کی طرف یا مجاز سے حقیقت کی جانب متوجہ ہوں۔ ہاں صرف موت ہی انسانی روح کو اپنے اصل محبوب کی طرف لے جاتی ہے اور محبت کے مستانے اسی کے فیضان سے گلزارِ عشق کی بہاریں لوٹتے ہیں“۔

موت کا سوال اس دنیا میں ہر کمزور فطرت انسان یا نورِ ایمان سے بے بہرہ شخص کے لئے قدرتاً خوفناک ثابت ہوتا ہے۔ اس کے رونگٹے اس خیال سے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ایک دن یہ متحرک بدن پیوندِ خاک ہونے والا ہے لیکن وہ بیچارہ اس حقیقت کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہے کہ عالمِ وجود کو پیدا کرنے والی ہستی نے ایک قطرۂ بے مایہ سے جیتا جاگتا انسان کیونکر بنا دیا۔ اور وہی ہستی جسمانی شکست و ریخت کے بعد اسی سلسلۂ زندگانی کو کس طرح دراز کر سکتی ہے۔ چونکہ ایک مادی انسان اپنے آس پاس کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے اس کا منتہائے نگاہ دنیائے رنگ و بو کی ظاہری دلکشی ہوتی ہے۔ اور بس! وہ سمجھتا ہے۔ کہ انہیں دلفریبیوں میں الجھنا اور

Marfat.com

مادیت کی کشمکش سے لذت اندوز ہونا ہی عین زندگی ہے۔ حالانکہ امر واقع اس کے بالکل خلاف ہے۔ صاحب نظر اور اہلِ باطن[1] اصل زندگی کو موت کے بعد سے خیال کرتے ہیں۔ اور اس مادی زندگی کو آنے والی زندگی کے لئے ایک رنگین تمہید سمجھتے ہیں[2]۔ ان کی عینی شہادتیں اس کی موید ہیں۔ کہ اقتضائے عقل اور مطالعۂ ماحول کے لحاظ سے بھی زندگی فانی نہیں اور نہ اسے فانی ہونا چاہیے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کو قانونِ فنا سے نہ پہلے کوئی واسطہ تھا۔ اور نہ اب ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ رہا یہ عقیدہ کہ آنے والی زندگی کی نوعیت کیا ہوگی۔ مسرتیں اور جنتیں کس قسم کی ہوں گی۔ ہمارے ہوش و حواس کی نوعیت کیا ہوگی۔ اور ہمارا یہ جسم کس انداز کا جسم ہوگا، صرف اہلِ کشف ہی حل کر سکتے ہیں۔ ہم ہر ذوقِ سلیم رکھنے والے کے لئے صرف اس قدر عرض کریں گے۔ کہ جب جسمانی سرگرمیوں کے آثار اس فضائے کائنات میں باقی رہتے ہیں۔ اور یقیناً باقی رہ سکتے ہیں۔ تو روحانی سرگرمیوں کا کیا کہنا اصل زندگی رُوح سے وابستہ ہے۔ جس کی سرگرمی یا انرجی تمام قوائے جسمانی کو عمل پذیر بناتی ہے اس لئے یہ نتیجہ بالکل یقینی ہے۔ کہ جب یہ حواسوں کے مادی شکنجوں سے آزاد ہو کر حریت و عدمِ قیود کی دنیا میں جا وہمپیا ہوگی۔ تو یقیناً اس مادی حالت سے زیادہ مسرور یا مغموم، آزاد یا پابند، سرگرم یا سُست ہوگی۔ اسی بنا پر وہ تمام لوگ جنہوں نے اپنی زندگی کا نصب العین، عشق و محبت، ایثار و ایمان، یا کوئی اعلیٰ قسم کا پاکیزہ مقصد بنایا ہو۔ اور اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے "اِنَّ صَلٰوتِی[3]

---

[1] اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۔ (قرآن مبارک) اصل زندگی دارِ آخرت میں ہے ◆

[2] زندگی کیا ہے ہمگہ رنگینیوں کی ابتدا۔ موت کیا ہے روح کی سرگرمیاں جولانیاں (نکہت شاہجہانپوری)

[3] میری نماز اور قربانی۔ زندگی اور موت سب خدائے تعالیٰ کے لئے ہے ◆

وَنسکی ومحیایَ ومماتی الخ کے قائل ہو کر میدانِ رزم میں حریفوں اور ناحق پرستوں کے خلاف اپنے مشن کی خاطر ختم ہو جائیں شہید کہلاتے ہیں۔ ان کی موت موت نہیں بلکہ شہادت کہلاتی ہے یہ شہید، شہادت، مشاہدہ، مشہود و شاہد بلحاظ اشتقاق ش ہ د سے بنے ہیں جس کے لغوی معنی حضوری یا حاضری کے ہیں۔ اور شہید اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد بھی اس کی حضوری دربارِ الٰہی میں دائمی ہو گی اور ارتقائے روح کے لحاظ سے اس کے لئے وہ رکاوٹیں ہرگز نہ ہونگی۔ جو دوسروں کے لئے یقینی ہیں۔ مزید تشریح یوں سمجھئے۔ کہ جس طرح یہ پاک فطرت اصحاب اپنے اعلیٰ مقصدِ زندگی کی تکمیل میں لڑتے لڑتے ختم ہو گئے۔ اسی طرح ان کی روح جو دنیا کی جد و جہد سے پاکیزہ اثرات لے جائیگی۔ ان کی آخرت میں بھی دوامی نعمت اور جاودانی راحت کا مرکز بنے گی۔ ہمارے مادی نقطۂ نگاہ سے یہ مردہ ہونگے۔ لیکن حضوری و شہود ان کا شیوۂ خاص ہوگا۔ اور یہ اپنی دلی آرزوؤں کے گہوارہ یا تجلیات الٰہی کی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ زندہ و پائندہ رہیں گے اسی لئے مذہبی اصطلاح میں تمام شہدا کو زندگی جاوداں کا مالک اور قانونِ شکست و ریخت سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ "وَلَا تَقُولُوا لِمَن یُقْتَلُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَلٰکِن لَّا تَشْعُرُونَ" یا دوسری جگہ ان کے رزق کا حال اس طرح درج ہے۔ "یُرْزَقُونَ عِندَ رَبِّہِمْ فَرِحِینَ بِمَا آتَاہُمُ اللّٰہُ مِن فَضْلِہٖ" یعنی جو شہید خدا کے راستہ میں جان دیتے ہیں۔ ان کو مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں جانتے" ان کو خدا کے دربار سے رزق پہنچتا ہے۔ اور وہ اس کے انعام و فضل کی فضا میں مسرور رہتے ہیں۔ بہر نوع یہ شہادت کا شرف ایک مسلمان کے لئے بڑی نعمت ہے اور صحیح معیار پر ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوتا حضرت خالد سیف اللہؓ اسی آرزو میں بسترِ مرگ پر

Marfat.com

روتے تھے۔ کہ "خدایا میں سینکڑوں معرکوں اور لڑائیوں میں شریک ہونے پر بھی شہید نہ ہوا۔ اے کاش میں شہید ہوتا اور بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑ کر جان نہ دیتا۔" غرض ایسی ہی شہادت یا موت کو جو عین زندگی ہے اسلام کے تمام فلسفیوں نے عین حیات سے تعبیر کیا ہے دیکھئے مادی حیثیت سے بھی حضرت امیر حمزہؓ، حضرت حسنؓ و حسینؓ و حضرت علیؓ و عمرؓ و عثمان علیہم السلام اور دیگر شہدائے اسلام ہمارے لئے زندہ ہیں۔ بلکہ ہماری اعلیٰ سوسائٹی کی روح رواں ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ کہ ان کی روحانی زندگی ہماری رسائی نگاہ اور دائرہ احساس سے باہر ہے۔ اس لئے ہم اس جاودانی زندگی کی نوعیت کو اس طرح محسوس نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ محسوس کرنا چاہیئے۔ بہر حال اس مجمل تبصرہ سے یہ حقیقت یقیناً واضح ہوگئی کہ اسلام کا زاویہ نگاہ شہادت کے متعلق کیا ہے یعنی "خود غرضی و لوٹ کی افراط و تفریط سے بچکر ایک پاکیزہ مقصدِ زندگی اور حقیقی ایثار کی خاطر اپنی جان کو قربان کر دینا اور بس۔ ع

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

اب اسی سلسلۂ شہادت میں ایک ضروری بات اور سمجھ لیجیئے جس کا دامن مسئلہ شہادت سے وابستہ ہے یعنی مسئلہ جہاد۔ اسلامی اصولوں کے اعلیٰ مقاصدِ زندگی میں ایک یہ بھی ہے لیکن اس کے معنی خونریزی یا کمزور اقوام کو تباہ و برباد کرنے کے ہرگز نہیں۔ مجاہد اپنی تباہ کاری اور خونخواری کی بنا پر رتبۂ شہادت نہیں حاصل کر سکتا۔ بلکہ اس قسم کی تمام لڑائیوں کا مقصد گری ہوئی قوموں کا سنبھالنا یا لاعلاج گمراہی و ضلالت کو صفحۂ دنیا سے مٹانا ہے۔ اسلام کی پاکیزہ فطرت اس آیتِ قرآنی کے ماتحت "مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا

ا جس شخص نے کسی ایک نفس کو بلا کسی بدلہ اور فساد کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا (لا یحب اللہ رکوع ۹)

خونریزی کو ہمیشہ روکتی ہے۔ اور اسی لئے اس کے قانون میں جان و مال کے صحیح ایثار پر بیحد زور دیا گیا ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے۔ کہ اس کی تعلیمی روح میں وہ ایثار مضمر ہے۔ جو ایک بہترین سے بہترین انسانیت پرست قوم کے لئے ضروری ہے۔ اولاً تو یہ جہاد ایک دفاعی جنگ ہے جس کو غلطی سے جارحانہ سمجھ لیا گیا ہے اور خصوصیت کے ساتھ یورپ اس غلط خیال میں بہت زیادہ مبتلا ہے۔ پھر اگر یہ مجاہدانہ جنگ دفاعی نہ بھی مانئے۔ تو ایسے گمراہ افراد کی بربادی کو جن میں ابوجہل کا استبداد، بولہب کی شیطانیت، نمرود کی سرکشی، فرعون کی خدائیت، شمر و ابن سعد کی قہرمانیت ملے جرم کون کہہ سکتا ہے۔ ان کا استیصال صرف اسی بنا پر مستحسن ہے۔ کہ تمام دنیا ان کے زہریلے اثر سے زہریلی نہ بن جائے۔ اسلام کے قانون میں بھی تلوار یا توپ اور بندوق، رفع شر کے آخری علاج ہیں اور اس قسم کے تمام افعال کی مثال بالکل ڈاکٹر کے آپریشن کی طرح ہے۔ یہ کسی حصے کو تمام بدن کے لئے مفسد سمجھکر زندگی ایسی بیش قیمت چیز کو بچانے کے لئے ایک فاسد عضو کو کاٹ ڈالتا ہے یا پھر اس جہاد کو اس جج کی طرح خیال کیجئے۔ جو مجرموں اور خونخواروں کو امن عام کی خاطر پھانسی پر چڑھاتا ہے! اور پھر بھی اپنے دامن کو خون کے الزام سے رنگین نہیں بناتا۔ یہی سبب ہے کہ اسلام نے اسی جہاد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں یا حفاظت خود اختیاری کی غرض سے بہترین قسم کا ایثار خیال کیا ہے۔ اور ہر مجاہد کو شہید کا رتبہ دیا ہے۔ بے شبہ اسلامی جہاد کا مقصد غریب مظلوموں کی حمایت، آزادیِ حقوق کی حفاظت اور گمراہ شدہ انسانوں کی ہدایت، ہے جس کو آج کل بھی مہذب قومیں استعمال کرتی ہیں۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ جب اس قسم کے روحانی مرض انفرادی حیثیت سے منتقل ہو کر اجتماعی وبا کی صورت اختیار کرینگے تو محض اصول کی بنا پر ہر فساد انگیز

Marfat.com

قوم کے لئے وہی قانون قائم رہیگا۔ جو ایک مفسد اور باغی کے لئے تھا۔ غرض یہ تو آپ کے سامنے اسلام کی روحِ جہاد پر تبصرہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام محض اسلام ہونے کی بنا پر اس سلسلہ میں بیحد بدنام کر دیا گیا ہے۔ اور خواہ مخواہ ظالم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ دوسری قومیں مظلوموں کا خون بہا کر انسانیت کو مٹا کر، ملکوں اور بستیوں کو اجاڑ کر بھی منصف ہی کہلاتی ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ؎

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اچھا اب ذرا رزمگاہ سے نظر بچا کر شہیدِ بزم پر بھی ایک نگاہ ڈالئے۔ آپ نے یقیناً یہ سنا ہوگا۔ کہ "مَنْ مَاتَ مِنَ الْعِشْقِ فَقَدْ مَاتَ شَهِيْدًا" "یعنی جو شخص کسی کے عشق میں مر گیا وہ بھی شہید کی موت مرا۔" اس نظریہ میں بھی اسی جذبہ شہادت کی سی رنگینی ملتی ہے۔ جو انسانی روح کو عشق کی قربانگاہ پر بھینٹ چڑھا دیتی ہے۔ میری رائے میں فرق صرف نظامی و عسکری شعبوں کا ہے۔ ورنہ مطمحِ نگاہ دونوں کا ایک ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بزمِ عشق کا شہید میدانِ رزم کے شہید سے برتر ہے۔ حتیٰ کہ بعض اصحاب خونِ شہدا پر خونِ دل کی لالہ کاری کو ترجیح دیتے ہیں مگر یہ امتیاز ایک قسم کی زیادتی ہے۔ حقیقت میں دونوں ایک ہی راستہ کے سالک ہیں۔ اور دونوں کا منتہائے نگاہ بھی ایک ہے۔ ہاں فضیلت کے مستحق وہ افراد ہیں۔ جو عشق کی سرزمین میں دل کو آتش بجان بنائیں۔ اور پھر رزمگاہِ عمل میں اپنے تمام قوائے جسمانی کو سرگرم بنا کر اصلی محبوب کی خاطر شمشیر و تفنگ سے ہم آغوش ہوں ؎

شاہدِ "عشق" است در ملک کسے کز روئے جہد
دست در آغوش با شمشیر و خنجر می کند

Marfat.com

خلاصہ یہ کہ اس دنیائے شہادت میں نیت کا بے لوث ہونا شرطِ اوّلین ہے۔ اور اسی لحاظ سے یہ سرزمین مختلف مدارج سے خالی نہیں *

حضرت حسینؑ کی شہادت میں ہم کو نظامی و عسکری دونوں قسم کی قربانیاں اعلیٰ پیمانہ پر ملتی ہیں۔ اور اسی لئے آپ کی شہادت افضل ترین شہادت ہے۔ دیکھئے مسئلہ شہادت اور پاکیزگی نیت پر رسول اللہ صلعم کی ایک حدیث قابلِ غور ہے۔ تاجدارِ عرب و عجم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے تین افراد پیش ہونگے۔ ایک مولوی یا عالم، ایک شہید یا غازی، ایک سخی یا مالدار خدائے برتر ان کے زندگی بھر کے کارنامے سنے گا۔ مولوی صاحب بزعمِ خود اپنے قرآنی درس تبلیغی مشن اور مذہبی سرگرمیوں کا بیان فرمائیں گے۔ غازی صاحب میدانِ جنگ کی خونچکاں داستانیں سنائیں گے۔ مالدار صاحب اپنی سخاوت و فیاضی کے دریا بہائیں گے۔ لیکن ان کی امیدوں کے خلاف حکم یہ دیا جائے گا۔ کہ ان سب کو جہنم کی طرف لے جاؤ۔ حاضرین تعجب کریں گے کہ یہ کیا ستم ظریفی ہے۔ تو ان کو سمجھایا جائیگا۔ کہ دیکھو! سنو یہ مولوی صاحب کہتے تو یہ ہیں۔ کہ انہوں نے تبلیغی ایثار پر اپنے آپ کو قربان کر دیا۔ مگر جب نماز کے بعد ان سے لوگ مصافحہ کرتے تھے۔ تو یہ دل ہی دل میں خوش ہوتے تھے۔ کہ یہ میری محکوم رعایا مجھ کو خراجِ عقیدت ادا کر رہی ہے۔ اور میں واقعی کچھ ہوں۔ اسی طرح شہید صاحب نے جب میدانِ جنگ میں اظہارِ شجاعت کے لئے اپنے گھوڑے کو مہمیز لگائی تھی۔ تو اس وقت ان کے ذہن میں جذبہ للہیّت نہ تھا بلکہ اپنی شخصیت مآبی اور غازی بننے کی ہوس دامنگیر تھی۔ اسی طرح یہ سرمایہ دار جب کبھی خیرات و صدقہ دیتا تھا۔ تو صرف اسی مقصد کے لئے کہ یہ سخی کہلائے اور اس کے احسان کا جؤا غریبوں کے سروں

Marfat.com

پر قائم رہے۔ چنانچہ ان سب کی تمنا کے مطابق ایک کو علاّمہ یا عالم مفتی یا خطیب، دوسرے کو غازی یا شہید اور تیسرے کو سخی یا حاتم طائی کہلا دیا گیا۔ اور ان کے افعال کا بدلہ ان کو وہیں دے دیا گیا اب یہاں کیا چاہتے ہیں۔ اور کس چیز کے طالب ہیں؟ غرض اس حوالہ سے صرف اس قدر ہے کہ نیکی کو نیکی کی خاطر، یا ایثار و قربانی کی خاطر یا جہاد کو محض جہاد کی خاطر جس میں جذبۂ نام و نمود، اور خود غرضی و جاہ طلبی و حکومت پسندی کی آمیزش نہ ہو سر انجام دینا اور اسی دھن میں جان ایسی عزیز چیز کو قربان کرنا حقیقی شہادت ہے ٭

اب ذرا یہ بھی غور فرمایئے۔ کہ حضرت حسینؑ کے تمام افعال و اعمال اور تقریر و تحریر بلکہ حرکات و سکنات میں حقیقی شہادت کی روح کس قدر زیادہ پائی جاتی ہے اور آپ کا یہ جہاد بالنفس والسیف دنیائے اسلام کے لئے کس قدر اعلیٰ اخلاق و انسانیت کی مثال ہے۔ دیکھئے حضرات کرام جناب علیؑ و عمرؓ و عثمانؓ و حمزہ علیہم السلام کی شہادتوں میں حادثۂ فاجعہ کی شان زیادہ ہے۔ اس لئے یہ عرض کرنا بیجا نہیں کہ جو لوگ حضرت عثمانؓ یا دیگر بزرگانِ ملت کی شہادت کو معرکۂ کربلا کے ہم پلّہ ٹھہراتے ہیں۔ وہ یقیناً صحیح راستہ پر نہیں ہیں یا اسی طرح دیگر شہدائے عظام ہیں جو بظاہر ایثار و قربانی کی اس اعلیٰ منزل پر نہیں پہنچے۔ جہاں امام الشہدا حضرت حسین اپنی تمام انسانی خصوصیات اور دنیوی تعلقات کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ آپ شمع الٰہی کے صاحب جذب پروانہ کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ جد و جہد کی دنیا میں آخر وقت تک دادِ انصاف دیتے ہیں، آپ اپنی مادی و روحانی ذمہ داریوں سے دمِ واپسین تک غافل نہیں ہیں، آپ ملک و حکومت، سرمایہ داری و انانیت کو کسی حالت میں معیارِ حریت نہیں بناتے، سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کا جہاد

Marfat.com

شخصی نہیں بلکہ اجتماعی مقاصد پر مشتمل ہے اور یہی وہ خصوصیات ہیں۔ جو آپ کی ذاتِ والا صفات کو دوسرے شہدائے کرام پر ممتاز و فائق بناتی ہیں +

ہاں آپ کو شاید علم ہو مبطون و مطعون یا طاعون و ہیضہ میں مرنے والے بھی شہید مانے جاتے ہیں مگر یہ سب درجۂ شہادت کی انفعالی تصویریں ہیں۔ اس لئے کہ اس قسم کی تمام صورتوں میں ایثار اور مجاہدہ نفس و شمشیر کے بجائے معصومانہ مظلومیت کی شان زیادہ پائی جاتی ہے۔ پھر بھی ایک حقیقی شہید اور ایک فرضی شہید میں زمین آسمان کا فرق ہے تفصیل بے سود ہے۔ بہر نوع اشاراتِ بالا سے آپ نے بخوبی سمجھ لیا ہو گا۔ کہ شہید کون ہوتا ہے؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں۔ مقصدِ شہادت کیا ہونا چاہیئے؟ اور کمال انسانی کا یہ درجہ کس قدر اعلیٰ اور دشوار ترین مرحلہ ہے؟ اس حقیقت میں ذرّہ بھر شبہ نہیں کہ ایک حقیقی شہادت دنیائے انسانیت کو معراجِ کمال پر پہنچاتی ہے۔ اور اس کا زبردست ردِ عمل ہی اس کی حقیقی عظمت و وقار کا ثبوت ہوتا ہے +

اب ذرا یہ سمجھئے۔ کہ حضرت امام الشہداؑ کی شہادت نے دنیائے اسلام کو خصوصاً اور بنی نوع انسان کو عموماً جو عظیم الشان فائدے پہنچائے وہ کیا ہیں؟ اگر یہ واقعۂ کربلا رونما نہ ہوتا تو محسن کُش افراد کی منافقت کا پردہ چاک نہ ہوتا ظلم کے مقابلہ میں انصاف کی روشنی اس قدر نمایاں نظر نہ آتی جس قدر آج محسوس ہو رہی ہے۔ بلکہ ہر فرد بشر قانونِ مشیت کی اس بوالعجبی سے واقف نہ ہوتا۔ کہ ایک ترقی کرنے والی قوم کی سیرت اور اس کے روشن و تاریک پہلو افراط و تفریط کے انتہائی مدارج پر کس طرح پہنچ سکتے ہیں۔ قدرت اپنے اٹل فیصلوں میں ہر چیز اور ہر خیال سے بے نیاز ہے۔ حتیٰ کہ بہترین سے بہترین ہستی کو اپنے مصالح اور خلق کی بہبود پر عملاً قربان کر دیتی

Marfat.com

ہے۔ بندہ کو شانِ بندگی کبھی نہ چھوڑنا چاہیئے۔ زندگی و اسلام عین تسلیم و رضا ہے۔ قانونِ اضداد جو ذرّہ ذرّہ میں کارفرما ہے۔ واقعہ کربلا ہی سے وابستہ نہیں۔ بلکہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے۔ اور جب تک رہے گی۔ اس قسم کے نظاروں سے خالی نہیں رہ سکتی۔ آدمؑ و شیطان، موسیٰ و فرعون، ابراہیمؑ و نمرود، محمد رسول اللہؐ و ابوجہل، حسینؑ و یزید اور دیگر متضاد قوتوں کی کشمکش فطرت کے راز ہیں۔ اور بنی نوع انسان کی محدود خیالی کے لئے ایک درسِ عبرت ہیں۔ یہ تمام قدیم و جدید واقعات، اسلام کی ہمہ گیر حقیقت اور کفر کی تنگ نظری اور جذبۂ اصلاح کو نظر کے بجائے عمل کی صورت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ گہوارۂ فطرت کے جھولنے والے انسانی سرشت کے نشیب و فراز کو سمجھیں اور آنکھیں کھولیں کہ زہر و انگبین یکساں نہیں، حق و باطل انسانی دماغ کی خود ساختہ تعریفوں کے باوجود ایک ہی چیز نہیں۔ آسمانی انسانیت کا معیار جو محض نظری نہیں ہے۔ کس قدر بلند ہے اور کہنے اور کرنے میں کس قدر فرق ہے۔ مورد ملخ اور بھنگے اور مچھر کی بے جان زندگی کوئی زندگی نہیں۔ بلکہ بدترین موت ہے۔ زندگی تو زندگی اسلام موت کے چند لمحوں کو بھی اتنا عظیم الشان دیکھنا چاہتا ہے۔ کہ حاصلِ کائنات بن سکیں۔ یہی باعث ہے کہ خدائی مذہب یا دین فطرت جس کا دوسرا نام اسلام ہے۔ تمام مسلمانوں سے ہر فعل و قول اور ظاہر و باطن میں یکسانیت کا مطالبہ کرتا ہے، منافقت اور ڈپلومیسی اس کی دنیا میں بدترین گناہ ہے، ضمیر کشی ناقابلِ معافی جرم ہے، اور ایک منافق یا خود غرض طمّاع یا حریص ایک قابلِ احترام انسان یا شہید کبھی نہیں بن سکتا۔ اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی نہ بھولئے۔ کہ اگر یہ شہادت عمل پذیر نہ ہوتی۔ تو دنیائے عرب پر خصوصاً اور دیگر ممالکِ اسلام پر عموماً ظلم و ستم کی وہ گھنگھور گھٹائیں

Marfat.com

ہمیشہ پرستی رہتیں۔ جن کو میدانِ کربلا کے شہداء نے ایک زمانہ دراز کے لئے صاف کر دیا حتیٰ کہ مورخین وسیاستدان اصحاب کا متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ حضرت حسینؓ کی شہادت نے یزیدی جور و استبداد کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ قہرمانی وجبر اور طغیان وفساد کو مٹایا، اسلامی جمہوریت کے سبق کو از سرِ نو دہرایا اور تمام دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ ضمیر و ایمان کی فتح کس قدر شاندار ہوتی ہے۔ اور ظالمانہ تلوار کے زہریلے اثرات کب تک اور کیونکر رہ سکتے ہیں! پھر ایک خاص بات اور بھی غور طلب ہے یعنی حضرت امامؑ کی اس پُر ایثار نظیر سے دنیائے اسلام بجید متمتع ہوئی۔ ہو رہی ہے اور ہمیشہ ہوگی مسلمانوں کی فطرت میں جذبۂ ایثار وحریت کا قیام اسی سانحہ کی بدولت پایا جاتا ہے۔ جو شاید بلا نمونۂ عمل کسی صورت میں قائم نہیں ہوسکتا تھا۔ رسولؐ اللہ کے ۶۱ برس بعد ہی اسلام کی جو حالت ہوگئی تھی۔ وہ تمام دنیا جانتی ہے۔ اور اسی عدیم المثال نظیر ایثار وقربانی کا یہ نتیجہ ہے کہ حضرت حسینؓ اور دیگر شہدائے کرام کے نام لینے والے حق پرستی کے جوش میں تمام دنیا کی قوموں سے آج بھی کچھ آگے نظر آتے ہیں۔ اگر ایک طرف اس واقعۂ شہادت نے باضمیر افراد میں جوشِ عمل کو بڑھایا اور انقلابی روح پیدا کی۔ تو دوسری طرف بہت سے افراد کو دنیوی اور نفرت انگیز میدانِ سیاست سے ہٹا کر گوشہ نشین یا بالفاظِ دیگر ایسے مشاغل میں منہمک بنا دیا۔ جو جسمانی حرکت کے بجائے دماغی سکون کو چاہتے تھے۔ بہت سے بزرگ ایسے نازیبا سیاسی افعال کو دیکھ کر قدرتاً خدمتِ مذہب کی طرف علمی حیثیت سے مائل ہوئے۔ قرآن مبارک کی معنوی گہرائیوں کی طرف اُن کے ذہن منتقل ہونے لگے۔ اور انہیں افراد نے علم تفسیر و حدیث و فقہ و تاریخ وجغرافیہ اور تصوف وروحانیت کی بنیادیں مستحکم بنائیں۔ ان بزرگوں نے جو کچھ

Marfat.com

مدون کیا۔ وہ آج تک تمام دنیا کے لئے سرچشمۂ بصیرت ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہ علوم و فنون جو سینہ بہ سینہ تھے۔ علم سفینہ کی صورت میں آ گئے۔ اگر یہ واقعہ رونما نہ ہوتا۔ تو دنیا جہاں تھی وہیں رہتی۔ بلحاظِ فلسفۂ اخلاق یہ واقعات بھی نہ بھولئے۔ کہ امام مالکؒ و امام ابوحنیفہؒ اور دیگر بزرگانِ ملت نے حکومت کے عہدوں کو صرف اس لئے قبول نہ کیا۔ کہ قوتِ ضمیر و ایمان محفوظ رہ سکے۔ اسی طرح اس وقت کے دیگر علما سادہ زندگی اور غربت کے باوجود دنیوی حرص اور نفسانی لالچوں سے پاک و صاف رہے۔ اور ہماری رائے میں اس قسم کے تمام واقعات اسی زبردست شہادت کے اثرات تھے۔ جو کسی نہ کسی طرح اپنا اصلی رنگ دکھاتے رہے۔ اس مسئلہ کو مختصراً یوں سمجھئے۔ کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد قوتِ ایمانی کا جو عنصر دنیوی اثرات سے مردہ و افسردہ ہو گیا تھا۔ اس کو صرف حضرت حسینؑ کے جذبۂ ایثار و قربانی نے زندہ کیا۔ ورنہ اسلامی سیرت کے نقش و نگار بدل چکے ہوتے اور محمد رسولؐ اللہ کا خدائی مشن اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ہم تک پاک و صاف نہ پہنچ سکتا۔ غرض یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ یہ سانحۂ شہادت مشیت کا ایک زبردست راز تھا جس کے اثرات سے بنی نوع انسان کو بالواسطہ غیر معمولی فائدے پہنچے۔ اور بلحاظِ تقابل حضرت عیسیٰ کی مظلومیت اور سقراط کی زہر نوشی کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ ان بزرگوں کے افعال زیادہ تر انفعالی تھے۔ اور اسی بنا پر نسبتاً بہت کم مؤثر ہوئے ؛

واللہ یہ ہماری بدقسمتی ہے۔ کہ اس معرکۂ شہادت کو بھی فرقہ دار روح میں بہت کچھ رنگ دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ واقعۂ کربلا ارتقائے انسانیت کے ان ہمہ گیر اصولوں پر جو ہمارا زاویۂ نگاہ ہیں۔ ہمہ گیر جذبۂ حریت و ایثار اور روحِ جہاد کا ایک بے نظیر نمونہ ہے۔ اس کے ہر

Marfat.com

شعبہ میں شرافت وانسانیت کی پاکیزہ روح مستور ہے۔ اور اُن کوتاہ نظر اصحاب کو جو مذہبی روح کو فرقوں تک محدود سمجھتے ہیں۔ بہ بانگِ دہل بتاتی ہے۔ کہ دیکھو تم کس بلندی سے گرے ہوا ور کس پستی میں پڑے ہو۔ اُٹھو اب بھی سنبھل جاؤ۔ ورنہ صفحاتِ تاریخ اور اوراقِ زندگی میں ایسے بہت سے نظائر پائے جاتے ہیں۔ کہ نفسی نفسی پکارنے والے زندہ نہیں رہتے اور جس قوم کے افراد میں مادی اور روحانی ایثار باقی نہیں رہتا وہ کبھی زندہ نہیں رہتی۔ بخدا مصافِ زندگی میں اسلام ایسے ہمہ گیر مذہب کے اسکول میں شیعہ وسُنی حضرات کا دست وگریباں ہونا اور برادرانِ ملت کی نفسانفسی وہ شرمناک واقعات ہیں۔ جن کے خیال سے بھی موجودہ زمانہ میں دل دُکھتا ہے شیرازۂ اسلام کی دھجیاں اُڑ رہی ہیں۔ اور ہم ابھی تک اوس خزرج کی طرح سینکڑوں برس سے برسرِ پرخاش ہیں۔ اور اپنے ہی ظالم ہاتھوں اور خونخوار تنفرقوں سے اسلام کے پُرزے پُرزے اڑا رہے ہیں اور خوش ہیں ۔

اچھا اب ذرا یہ بھی غور فرمایئے کہ مندرجہ بالا اثرات کے علاوہ جن کا دامن اہلِ بزم سے زیادہ وابستہ ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت نے میدانِ رزم وجہاد میں ہمارے لئے کون سے عملی اصول قائم کئے۔ اہلِ بصیرت خوب جانتے ہیں۔ کہ آپ کی اس مہم میں رزم وجہاد کے وہ زبردست اور پاکیزہ اصول نہاں ہیں۔ جو تمام دنیا کی فوجی قوت اور اس کے کمانڈروں میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ تفصیل اس کی یوں سمجھئے کہ ان قہرمانیت پسند جرنیلوں کی خونریزی اور اس کی بنیادیں محض بوالہوسی، جوع الارض، سرمایہ داری، شخصی تفوق اور بہیمیت پر مبنی پائی جاتی ہیں۔ اور یہی وہ حدِ فاصل ہے۔ جو معمولی رزم وقتال کو حقیقی ایثار وکمالِ انسانیت سے جدا کرتی

Marfat.com

ہے۔ موجودہ جنگی قوانین کی بنیاد زائد سے زائد نیشنلزم کی سرحد پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس میں جغرافیہ کی حد بندیاں اور انسانوں کے نسل و رنگ کی قیدیں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ ہمہ گیری ہرگز نہیں ملتی۔ جو ایک سچے شہید یا بلا تعصبِ ملت و مذہب ایک حق پرست انسان کا شیوہ ہونا چاہیئے یوں تو دنیوی کمانڈروں کی وہ صفاتِ رذیلہ جو ہم نے بیان کی ہیں شیر کی درندگی اور عقاب و شاہیں کی خونخوارانہ فطرت میں بھی مشترک ہیں مگر پھر ایک انسان بہر نوع انسان ہے۔ اس کا منتہائے نگاہ یقیناً شیر و پلنگ و عقاب اور دیگر جانوروں کی درندگی و بہیمانہ فوقیت سے بلند تر ہونا چاہیئے۔ آپ اگر غور فرمائیں گے۔ تو یورپ اور دوسری خونخوار قوموں کی اکثر و بیشتر لڑائیاں اور خونریزیاں اسی جذبۂ حیوانیت کی ادنیٰ و اعلیٰ نمونہ نظر آئیں گی۔ اور اسی بنا پر اسلام نے ہمہ گیر اصولِ انسانیت سے ہٹ کر اپنی جان قربان کرنے والے کو یا ہر بوالہوس کو رتبۂ شہادت سے محروم رکھا ہے۔ خلاف اس کے حضرت امامؑ کی فوجی سرگرمیاں دنیا کے تمام کمانڈروں کے لئے ایک زبردست شاہراہِ ہدایت ہیں۔ آپ کی شہادت کا معیار حقیقی اور آسمانی معیار ہے۔ آپ دنیوی انسانوں کی طرح مال و متاع اور راحت و سلطنت کے طالب نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حضرت معاویہؓ کے دور میں انہیں کوفیوں کے مطالبہ اور دعوت پر ہمیشہ آپ نے قبولِ دعوت سے انکار کیا ہے۔ ایک خط میں جو امیر معاویہؓ کو لکھا گیا تھا۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں ذَفَہِمْتُ مَاذَکَرْتَ وَمَعَاذَ اللہِ اَنْ اَنْقُضَ عَہْدًا عَہِدَہٗ اِلَیْکَ اَخِی الْحَسَنُ یعنی جس بات کا تم نے ذکر کیا ہے۔ میں نے سمجھ لیا۔ معاذ اللہ میں اور اس عہد کو توڑوں جس کو میرے بھائی حسنؑ نے کیا تھا۔ نہیں ہو سکتا[1] بلکہ آپ کا مقصد ان سطحی خواہشوں سے بہت بلند ہے۔ آپ حق پرستی

[1] صفحہ ۶ مقتل ابی مخنف۔

Marfat.com

کی خاطر میدانِ کربلا میں سرگرم ہیں۔ خلافت کے بجائے استیصالِ یزید کے زیادہ متمنّی ہیں رسولؐ اللہ کے دَور سے جو جمہوری روح دنیائے اسلام کی روح رواں تھی۔ اسی کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں اور ایثار و قربانی کے صحیح معیار سے سرِ مُو پیچھے نہیں ہٹتے۔ بہر نوع اگر زیادہ نہیں تو اس کتاب کے مجموعی تبصرہ سے یہ حقیقت بالکل روشن ہو گئی ہو گی۔ کہ میدانِ کربلا کے علمبردار حضرت حسینؑ کی مجاہدانہ سیرت میں ہمارے دل و دماغ کو جو خصائص ملتے ہیں۔ وہ دیگر فوجی قوتوں کے ساتھ ہرگز موجود نہیں۔ آپ کی سیرت ان کے سطحی کیرکٹر سے بالکل جداگانہ ہے۔ اور آپ کو صرف نوحہ و مرثیہ کے لئے اپنا ہیرو بنانا آپ کی ذات والا صفات پر ایک عظیم الشان ظلم ہے۔ بین و بکا درد انگیزی واقعہ شہادت کے انتہائی درد انگیز ہونے کے باوجود اس کا مقصد نہیں بلکہ فی الاصل ہم سب کو یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ آپ کی یہ قربانی دنیائے اسلام کی آزادی کا ایک زندہ پیغام، احیاء ملّت کی ایک زبردست تبلیغ، لعنتِ غلامی کو ہمیشہ کے لئے مٹا دینے والا ایک پاکیزہ مشن، روحِ ایمانی کے نشو و نما کا ایک ذریعہ، اور علم و عمل کی (بالکنایہ) ترقی و فلاح کا ایک جاودانی چشمہ ہے۔ جس کی طرف متوجہ ہونا ہر مسلمان یا انسانِ کامل کا اوّلین فرض ہے کہاں آپ کا جہاد بالنفس اور بالسیف اور کہاں ہماری قوم کے سیاسی و مذہبی طبقوں کی عیش پسندی و کاہلی اور غلامی و اسیری، ہم حضرت حسینؑ کے نام لیوا ضرور ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پست و ذلیل دل و دماغ نہ تو جہاد بالسیف کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ جہاد بالنفس کو۔ یہ ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ موجود دَور میں جذبۂ حریت صرف لفظی شورش کا نام رہ گیا ہے ہمارے لیڈر غلامانہ ذہنیت پر اگلے دور کے غلام سے زیادہ قانع ہیں۔ ہمارے مذہبی سرگروہ

Marfat.com

جہاد بالنفس کی تعریف اسی قدر کر سکتے ہیں۔ کہ پنجوقتہ نماز پڑھکر اور مہینہ بھر روزہ رکھکر ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھے رہیں۔ اور اپنی مفید زندگی کو ورد و وظائف تک محدود بنالیں اور بس۔ یقین جانئے کہ اگر اسلامی جہاد کی اسپرٹ اور جذبۂ شہادت کی ہمہ گیر حقیقت کو حضرت امامؑ کے نقشِ قدم پر چل کر مسلمانوں کے ۱۰ فیصدی افراد بھی سمجھ لیتے۔ تو نہتے یا غیر مسلح ہونے پر بھی وہ ہرگز ایسے بے جان نہ ہوتے جیسے کہ اب نظر آرہے ہیں۔ واللہ ان کی غفلت پسندی ہی ان کو ڈبو رہی ہے اور یہ اپنی ہی پریشان نظری اور باہمی افتراق کی وجہ سے شاہراہِ حقیقت سے کوسوں دُور بھٹک گئے ہیں ٭

تقریباً آج کل بھی ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ پچھلا مسلمان زیادہ غیور زیادہ ہمدردِ اسلام اور صاحبِ سیرت تھا۔ وقتِ ضرورت بہت آسانی سے صاحب السیف بن سکتا تھا لیکن آج یہ بات نہیں۔ اس رُحانی انحطاط کا سبب ظاہر ہے۔ مغرب زدگی اور غلامانہ ذہنیت ساتھ ہی ساتھ اسلامی اصولِ زندگی کو چھوڑ دینے کی بنا پر ہمارے دل و دماغ پر زہریلے اثرات چھا گئے۔ انہوں نے ہم کو نکما اور ناکارہ بلکہ عیش پسند بنا دیا۔ اور اس کا سب سے بڑا عملی ثبوت موت کے خیال سے ہمارے رونگٹوں کا کھڑا ہونا ہے۔ ہم چونکہ مادی رنگ رلیوں میں مصروف ہیں اس لئے جان کی قربانی کو سب سے زیادہ خوفناک سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارے دماغ سے بھی یہ خیال کوسوں دُور نکل چکا ہے۔ کہ تکمیلِ انسانیت اور زندہ رہنے کے لئے جذبۂ شہادت یا اسی قسم کی دنیا میں جد وجہد بھی کوئی ضروری چیز ہے۔ بقول حضرت اکبرؒ ؎

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ ۔ اب تو غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

Marfat.com

غرض یہی وہ خاص کمزوریاں ہیں جنہوں نے اسلامی سیرت سے ہم کو محروم بنا رکھا ہے۔ اور ہم میں تقریباً ہر فرد حضرت امام الشہداؓ کے نقشِ قدم پر چلنے کے بجائے دُور سے ان کے نقشِ قدم کو تاک رہا ہے۔ بالخصوص آج کل کا ہندوستانی نوجوان تقلیدِ یورپ کی بنا پر یہ بھی نہیں جانتا۔ کہ کن مقامات پر موت کو زندگی پر ترجیح ہو سکتی ہے اور وہ کون سے اصول ہیں۔ جہاں موت عین زندگی بن جاتی ہے۔ اس کے زاویۂ نگاہ سے کسی شہادت کا بے لوث ہونا ہی ایک جرم ہے۔ اور بقولِ اقبالؒ یہ وہی بات ہے۔ کہ ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

دیکھئے ذرا دورِ حاضرہ کی اسلامی سیاست پر بھی ایک نظر ڈالئے۔ آج بھی جو قومیں اس جذبۂ ایثار و فلسفۂ شہادت کو کچھ نہ کچھ یا کسی نہ کسی حد تک سمجھتی ہیں۔ وہی کم و بیش سُرخرو پائی جاتی ہیں۔ اس آخری زمانہ میں اتاترک مغفورکا سلطنت ترکی کو اپنی جان پر کھیل کر بچا لینا سلطنتِ افغان کا اپنی باگ اپنے ہم جنسوں کے ہاتھ میں رکھنا۔ ریف کے سنّوسیوں کی شورشیں مسلمانانِ چین کا جاپانیوں کے خلاف گورنمنٹ سے مل کر صف آرا ہونا۔ فلسطین میں عربوں کی قربانیاں اسی خیالِ شہادت کی ادنےٰ چنگاریاں ہیں۔ جو قومی و ملکی وقار کو زیادہ اور مذہبی اقتدار کو بالواسطہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ سب قومیں بھی چوڑیاں پہن کر صرف روتی رہتیں۔ تو ان کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹ چکا ہوتا۔ بہرنوع ان تمام تشریحاتِ بالا سے یہ حقیقت بخوبی ذہن نشین ہو چکی ہوگی۔ کہ یہ شہید و شہادت اور مذکورہ بالا جہاد و مجاہدہ تکمیلِ

Marfat.com

انسانیت کا کتنا عظیم الشّان جزو ہے۔ اور جو قوم اس کے احساس سے بے بہرہ ہو جاتی ہے۔ وہ اسی دنیا میں فنا ہو جاتی ہے۔ اسی جذبۂ شہادت کی مادی برکتیں خدا کی بنائی ہوئی زمین کی وراثت، تمام کائنات پر مکمل تصرف، اور عام بنی نوع انسان کے لئے رحمت و راحت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ رہیں روحانی برکات اس کا تذکرہ اُوپر ہو چکا ہے۔ جاودانی زندگی کے علاوہ ہزاروں قسم کے فیضان کی رنگ برنگی خوشخبریاں مخبر صادق کے ذریعہ سے پہنچی ہیں۔ جو قطعاً صحیح اور بالکل بجا اور درست ہیں۔ یہ تسلیم کہ اس وقت یہ سب ہماری دنیائے احساس سے بالا ہیں مگر بے بنیاد نہیں ہو سکتیں۔ اور ہر شہید کو ان سے یقیناً دوچار ہونا ہے۔ اقبالؒ نے اسی جذبۂ شہادت کے روحانی و مادی فقدان کو دیکھکر حجاز و نجد و یمن و مصر کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے ؎

قافلہ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہیں تابدار بھی گیسوئے دجلہ و فرات

بہر نوع شہادتِ امام حسینؓ خواہ نقلی حیثیت سے جانچئے یا عقلی حیثیت سے معیارِ انسانیت کی وہ روشن دلیل ہے جس کی ادنےٰ چمک سیرتِ اسلامی کو ہر وقت و ہر لمحہ تاباں بنا سکتی ہے۔ اس کے جوہر چمکانے کے لئے شمشیر و سناں کی قید نہیں ہے۔ جو لوہے سے بنتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھئے۔ کہ لوہے کی یہ سختی و صلابت انسانی دماغ و ارادہ کے سامنے موم سے زیادہ نرم بن سکتی ہے۔ اور ایک انسانی دماغ بشرطیکہ دماغ ہو۔ بلحاظِ نفسیات موم کو آہن اور فولاد کو موم بنا سکتا ہے۔ ہاں شرط یہی ہے کہ ہمارے ذہن خود ساختہ اسلام کی تقلید

Marfat.com

سے رنگ آلود نہ ہوں۔ اور بلند نگاہی کے ساتھ تعصّب و محکومیت کے طوق کو اُتار پھینکنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ بقول کسے ؎

شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

آپ کو اس امر کا یقینی علم ہوگا۔ کہ دنیائے اسلام و روحانیت کے تمام فلاسفر حضرت حسینؓ کے آستانہ پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔ اور لاکھوں انسان ہر سال آپ کے مزارِ مبارک کی جبہ سائی کرتے ہیں۔ اس کا سبب صرف یہی ہے کہ انسانی کمالات کے ساتھ اس قسم کی دوسری شہادت اور اس قدر پاکیزہ مقاصد کے ساتھ کہیں نہیں ملتی۔ کہیں صرف مادی ایثار ہے روحانی نہیں۔ کہیں روحانی ہے مادی نہیں۔ بعض جگہ حادثۂ فاجعہ ہے۔ اور یہ کشمکشِ ایثار نہیں کہیں انفرادی ذمہ واری ہے، اجتماعی شان نہیں۔ کہیں شہادت کی منزلوں سے پہلے ہی تمام دنیوی تعلقات ختم ہو گئے ہیں اور آخر وقت تک دنیوی کشمکش کا وجود نہیں؛ بعض جگہ صرف مظلومیت ہی مظلومیت ہے اور جوشِ عمل یا جذبۂ حریت نہیں؛ کہیں صرف جارحانہ افعال ہیں۔ جذبۂ مدافعت اور مدبرانہ پہلو ساتھ نہیں؛ کہیں معیارِ عدل بدرجۂ کمال نہیں، کہیں توازنِ دماغ ہی میں استقلال نہیں؛ کہیں عالمِ مدہوشی میں مجنونانہ حرکات ہیں؛ جانگداز سکون و تحمّل نہیں؛ کہیں صرف عقل آرائیاں ہیں، جذبۂ عشق کا عنصر نہیں؛ کہیں عبادت ہی عبادت ہے معرکۂ شمشیر نہیں، لیکن حضرت حسینؓ کے ہر شعبۂ زندگی میں وہ کون سا

Marfat.com

بہترین اخلاقی و سیاسی مذہبی و معاشرتی پہلو ہے۔ جو نہیں پایا جاتا۔ یا اسی طرح وہ کونسی انسانی صفت ہے جو نہیں ملتی۔ آپ نہ صرف صورت و شکل میں بلکہ سیرت میں بھی محمد رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ بقول کسے ؎

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

اسلام کے مشہور فلسفی حضرت اقبال علیہ الرحمتہ نے اسرارِ خودی میں اسی مسئلۂ شہادت پر خصوصیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ہم اس باب کو انہیں کے بیان پر جو ترجمہ کی صورت میں پیش کش ہے۔ ختم کرتے ہیں۔ کاش ہمارے برادرانِ ملّت اب بھی یہ سمجھ لیں۔ کہ قوتِ زندگی یا جذبۂ خودی کے یہ مظاہر جو تاجدارِ کربلا اور دیگر شہدا کے دامن سے وابستہ ہیں۔ صرف اسی لئے ظاہر ہوتے ہیں۔ کہ انسانی نسلیں جان و بے جان۔ حق و باطل، روشنی و ظلمت، سیاہی و سپیدی کو سمجھیں۔ اور پھر انہیں کے نقشِ قدم پر چل کر انسان کامل بنیں۔ سنیئے :-

"جذبۂ الٰہی سے مست ہونے والے اپنے دل کے آرام کو صرف حریت میں پاتے ہیں اور اُن کے "ناقۂ زندگی کی باگ ڈور اسی جذبۂ آزادی کے تصرف میں ہوتی ہے۔ دیکھئے حضرت حسینؑ کے خون سے جو فَدَیناہُ بِذِبحٍ عَظِیم اور حرف قُلْ ھُوَ اللہ کی تفسیر تھے۔ دنیائے عشق کے گوشہ گوشہ میں سرخروئی پیدا ہوئی۔ بے شبہ اسی جذبۂ زندگی ہی نے موسیٰؑ و

فرعون اور شبیرؓ و یزید دونوں کو پیدا کیا۔ لیکن حق کی قوتیں معجزۂ شبیری کی بدولت زندہ ہوئیں۔ اور باطل پرستی کا عارضی طوفان ناحق کے پرستاروں کو مٹا کر حسرت واندوہ کے ساتھ برباد کر گیا۔ حضرت حسینؓ جو آفتابِ رسالت کی چمکتی ہوئی کرن تھے۔ اس گھٹا کی طرح اُٹھے۔ جو قبلہ کی طرف سے اُمڈی ہو۔ اور کربلا کی زمین پر برس جائے۔ آپ نے اس ویرانہ کو لالہ زار بنایا۔ اور اپنی جان کا خون بہا کر قیامت تک کے لئے ظلم واستبداد کو مٹایا۔ آپ ہی کی موجِ خون سے چمن کِھلے۔ اَور آپ ہی کی ذات نے خاک وخون میں آلودہ ہو کر شہادت کو پسند کیا۔ اسی لئے وحدتِ حقیقی کی بنیاد آپ ہی کے وجودِ گرامی سے وابستہ ہے۔ آپ کا مقصد اگر سلطنت ہوتا۔ تو اس خاندان اور سامان کے ساتھ کیوں سفر کرتے آپ کے دشمن ریگستان کے ذرّوں کی طرح بے شمار تھے۔ اور آپ کے جان نثار صرف دو چار۔ بے شبہ آپ کی ذات حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی اجمالی قربانیوں کی تفصیل تھی۔ بے شک آپ کا عزم و وقار سنگین پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور آپ کا جوشِ عمل ایک فاتح کی چلنے والی تلوار سے بہت زیادہ تیز تھا۔ شمشیر زنی کا حقیقی مقصد صرف مذہب وملّت کی حفاظت ہے اسی لئے ایک مسلمان اس دنیا میں کسی کا غلام نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کی قوتِ خود نمائی یا جذبۂ الٰہی کے سامنے فراعنہ کی گردنیں خم ہو جاتی ہیں حضرت

Marfat.com

حسینؓ کے خونی ایثار نے اس راز کو فاش کیا۔ اور سوتی ہوئی قوم کو جگایا۔
سچ یہ ہے۔ کہ قرآن کے رموز و نکات صرف آپ ہی کے ذاتی افعال کی روشنی
سے حل ہو سکتے ہیں۔ بلکہ آپ کی لگائی ہوئی آگ اب تک ہمارے خرمنوں
میں شعلہ ریز و آتش فشاں ہے۔ ؎

نظر ز صحبتِ روشندلاں بیفزاید
ز دردِ کم بصری تو تیا چہ می جوئی
قلندریم و کمالاتِ ما جہانبانی ست
ز ما نگاہ طلب کیمیا چہ می جوئی

(اقبالؒ)

(نکہت شاہجہانپوری بی۔ اے آنرز ان پرشین)
مؤرخہ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء مقام دیولالی
(باضافہ جدید) ۴۔ اپریل ۱۹۴۰ء
(انجمن اسلام بمبئی)

کتبہٗ: محمود اللہ صدیقی ڈیرہ کاتباں - چوک متی لاہور 7/40

Marfat.com

نقد و نظر

تبصرہ از رسالہ "شاعر" آگرہ

"حسینؑ ابن علیؑ" از جناب نکہت شاہجہانپوری۔ تقطیع $\frac{27 \times 17}{8}$ حجم ۸۴ صفحات۔ کاغذ عمدہ۔ لکھائی چھپائی اوسط۔ کتاب مجلد ہے اور جلد پر خوبصورت سنہری ڈائی ہے قیمت ملنے کا پتہ:۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ کشمیری بازار۔ لاہور +

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے ایثار و قربانی کا اعتراف دنیا کے ہر طبقہ، ہر مذہب اور ہر قوم کو ہے۔ ابتک سید الشہداء پر سینکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں بعض کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں مذہبی عقائد اور ذاتی تاثرات کے تحت لکھی گئی ہیں۔ بالفاظِ دیگر مصنفین نے کوشش کی ہے کہ وہ اس حقیقت کی روشنی کو مفقود کر دیں۔ جو امام عالی مقام میں تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب دنیا کے سب سے بڑے شہید اور زبردست ایثار پسند انسان پر اردو زبان میں ایسی تصانیف بھی شائع ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ جن میں دلائل و براہین اور نفسیاتی نقطۂ نظر پر بحث کی گئی ہے۔ "حسینؑ ابن علیؑ" اس ویل کی کامیاب ترین تصنیف ہے جس میں واقعاتِ شہادت پر ایک تاریخی نظر خصوصیاتِ حضرت حسینؑ۔ ایک سیاسی مغالطہ۔ جذبۂ حریت۔ موجودہ شہادت و جوابات قوتِ ضمیر و جوہرِ ایمان۔ قوتِ عمل و توازنِ دماغ۔ فلسفۂ شہادت و کمالِ انسانی وغیرہ عنوانات کے تحت سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ چونکہ تقریباً ۲۰ کتابوں سے ماخوذات حاصل کئے گئے ہیں۔ اس لئے کتاب کے مستند ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں شروع میں دو نظمیں بھی ہیں امام عالی مقام کے یہ سوانح قابلِ مطالعہ ہیں +

Marfat.com

تبصرہ از آنریبل مولوی سر محمد یعقوب صاحب ممبر کونسل آف سٹیٹ کے۔ ٹی۔

متوطن مراد آباد

تاریخ اسلام میں کوئی واقعہ اس قدر مشہور اور زبان زد خواص و عام نہیں ہے جیساکہ معرکۂ کربلا ہے۔ تقریباً بارہ سو سال سے مسلمانانِ عالم ہر سال شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حق نیوشی۔ باطل سوزی۔ ایثارِ فی سبیل اللہ اور ہمت و استقلال اور جرأت اور شجاعت کی جو مثال میدانِ کربلا میں حضرت امامؑ ہمام نے پیش کی ہے اس کی اور کوئی نظیر تاریخِ عالم میں نہیں ملتی۔

لیکن افسوس ہے کہ غلو کی عقیدتمندی اور رفعت تخیل اور حصولِ داد کے ذوق نے ایسے عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ کے اصلی حالات کو اس قدر پردۂ خفا میں ڈال دیا ہے۔ کہ آج ہندوستان کے مسلمانوں میں شہادت امام حسینؑ کے راز کو بہت ہی کم مسلمان جانتے ہیں۔

مولوی عبدالسمیع خاں صاحب نکہت مستوجب تشکر ہیں۔ کہ انہوں نے زبانِ اردو میں رسالہ "سیدنا حسینؑ ابن علیؑ" مرتب کرکے واقعۂ کربلا کے تاریخی حالات اور اسباب کو مسلمان پبلک کے سامنے پیش کر دیا۔ اس رسالہ میں جس احتیاط اور تاریخی واقعات کی صحت کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ ذی علم مؤلف کے تبحر اور وسعتِ نظر کا ثبوت دیتی ہے۔ مولوی عبدالسمیع صاحب کو ان کی مساعی جمیلہ کی کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ رسالہ "حسین ابن علی" کو شہرت اور قبولیتِ عامہ کا وہ درجہ حاصل ہوگا جس کا وہ مستحق ہے۔

شیخ نیاز احمد تاجر کتب و پبلشر نے اپنے علمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام میاں فیروز الدین پرنٹر چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا۔

Marfat.com

مشکل حل ہو گئی

فیض اللغات فارسی طلبا کو بالخصوص اور مطالعہ کے شائقین کو بالعموم خوشخبری دی جاتی ہے کہ اردو، فارسی کی درسی یا غیر درسی کتابوں کا استاد کی مدد کے بغیر مطالعہ کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ آپ فیض اللغات فارسی طلب فرماویں جو مروجہ لغاتوں سے بلحاظ قیمت اور بلحاظ فوائد کے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اس لغت میں نئے اور پرانے الفاظ کی تشریح تلفظ اور معانی واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں اور جلد تمام کپڑے کی ولایتی طرز پر بنوائی گئی ہے قیمت صرف ؏ علاوہ محصول ڈاک۔

فیض اللغات اردو یہ لغت بھی مندرجہ بالا جملہ لغوی خوبیوں سے پر ہے اور اس لغات کے ہوتے ہوئے دوسری کسی اردو لغات کی ضرورت نہیں۔ یہ لغات درسی تعلیم کے لحاظ سے انٹرنس کی جماعت تک کی تمام ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔
قیمت مجلد بطرز ولایتی صرف دو روپیہ ؏۔ علاوہ محصول ڈاک۔

المشتہر

شیخ غلام علی اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

Marfat.com